مرتّب

الحاج مولانا حافظ مفتی آدم (مظاہری ۔ رنگونی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مجالسِ شیخ عبد المنان

مرتّب

الحاج مولانا حافظ مفتی آدم (مظاہری۔ رنگونی)

اللّٰھمّ صلّ علی محمدٍ عبدک ورسولک وصلِّ علی المؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم. بسم اللہ الرحمن الرحیم

لَنْ یَنَالَ اللہَ لُحُومُھَا وَلَا دِمَائُھَا وَلٰکِنْ یَنَالُہُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ

طریق ابراھیم۔ حضرت ابراھیم علیہ السلام کا جوراستہ تھا، طریق تھا، وہ تقویٰ کا تھا۔ اس کے اوپر حضرتؒ کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ کے پاس تمہارے قربانیوں کا گوشت نہیں پہنچتا۔ بلکہ اس کی طرف تمہارے طرف سے تقویٰ پہنچتا ہے، یہ تو ترجمہ ہوا۔ اس میں یہ بات قابل غور ہے کہ اس جگہ تقوے کی کیا معنٰی ہے۔ عام حالت میں تقوے کے یہ ہے کہ سب اعمال شریعت کے مطابق ہو۔ اور اعمال میں تقرب الی اللہ کی نیت ہو یہ تو یہاں مراد ہے۔ مراد ہے ہی کیون کہ معنی عام کا۔ تحقیق ہر فرق میں ہوا کرتا ہے کہ جتنے بھی نیک کام ہے۔ اس میں اس یہی مراد ہوتی ہے کہ اللہ کے لئے ہو اللہ کے تقرب کے لئے ہو اور جو احکام جیسے ہے شریعت کے مطابق ہو۔

مگر اس مقام پر تخصیص ذکر سے ذوق کے یہ بات معلوم ہوتا ہے، بیاں تقویٰ سے مراد بہت ہی بڑا کامل تقویٰ ہے کہ بیاں جو خاص کیا گیا ہے تو اس ذوق میں بہت بڑے کامل۔ یعنی اونچے درجے کے تقویٰ مراد ہے جس کو اس مقام سے خصوصیت ہے۔ اس مقام کے شایانِ شان ہے اور فوزیت کی ضرورت اس لئے ہے کہ تقویٰ کا مفہوم عام تو تمام اعمال مشترکہ۔ کہ تقویٰ مراد یہ ہوتا ہے کہ شریعت کے موافق ہو۔ اور اللہ کے لئے ہو، یہی تو سب میں ہے یہ ظاہر ہے کہ ہر عمل دوسرے عمل سے خاص امتیاز حاصل ہے۔

اعمال کی بھی اپنی خاص حیثیت ہے۔فرض کا اپنا مقام ہے اور نفلوں کا اپنا مقام ہے۔ ہر عمل کے ساتھ جو تقویٰ متصل ہے اس کو بھی دوسرے عمل کے تقوے کا امتیاز حاصل ہے۔اسی طرح جتنے اعمال ہے اس میں جو بڑے درج کا عمل ہے۔اس کو اونچے درجے کے تقویٰ کے درکار ہے۔کسی میں کم ہے۔

الغرض ہر نوع میں جنس ہے دوسرے جنس میں سے بھی خاص امتیاز ہوا کرتا ہے، یہ ماہیت انسانوں میں اور حیوانات میں ۔اور ان میں بھی خاص قسم کی چیزیں ہے کہ ان کا ہر ایک برابر نہیں ہوتا نا۔کوئی جانور کس کا ہوتا ہے۔کوئی کس کا ہوتا ہے ۔پس جیسے قربانی کو دوسرے اعمال سے خاص امتیاز ہے۔اسی طرح اس میں جو تقویٰ ہے وہ بھی خاص قسم کا تقویٰ ہونا چاہیے۔کہ جانور میں بھی عمدہ جانور ہو۔(سمجھ جائیگی نا) تو اس میں بھی خاص قسم کا تقویٰ ہونا چاہیے

اَب دیکھیے کہ خاص قسم کا تقویٰ کیا ہے۔؟ تو دوسری آیت میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یاایھا الذین اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ وَلَاتَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ (ال عمران ۱۰۲) میرے ذوق میں وَلَاتَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْن' یہ حَقَّ تُقَاتِہ' کی تفسیر ہے۔مطلب یہ ہوا کہ کامل تقوی یہ ہے کہ اسلام پر موت ہو جائے ،خاتمہ بالخیر ہو جائے ،کامل تقویٰ یہ ہوگا جن کا اسلام میں موت ہوگئی ، یہ کامل تقویٰ والے ہیں۔

اسلام کا معنیٰ کیا ہے؟ اسلام کا معنٰی یہ ہے کہ اپنے کو خدا تعالیٰ کے سپرد کر دے۔وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَی اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ بَصِیْرٌ بِالْعِبَادِ (المؤمن ۴۴) سپردگی یہ انبیاء کا وظیفہ ہوتا ہے۔ وہ اپنی تجویز پر اصرار نہیں کرتے۔تفویض ہوتی ہے،سپردگی

ہوتی ہے اللہ کے یہاں یہ معنٰی دوسرے آیت سے حل ہوتی ہے۔ وَمَنْ اَحْسَنُ دِیْنًا مِمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرَاهِیْمَ حَنِیْفًا (النساء . ۱۲۵) ترجمہ: اوراس شخص سے اچھا کس کا دین ہے، جو اپنے آپ کو خداتعالیٰ کے سپرد کردے۔

اخلاصِ نیت کے ساتھ اورابراہیم علیہ السلام کے طریقے کے اتباع کرے۔ جوخالصِ خدا کے ہوکے رہے تھے، جب اسلام کے معنٰی یہ ہےتو تقویٰ کامل یہ ہوا کہ اپنی جان خداتعالیٰ کے سپرد کردے کہ وہ جس طرح چاہے اس میں تصرف کرے جیسے کہ ابراہیم علیہ السلام نے کیا تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ حکم سے ذبح ولد پر آمادہ ہوگیا۔لڑکے کوبھی اللہ کے راستے قربان کرنے کو تیار ہوگیا۔اور جوشخص اپنے بچے کو اللہ کے راستے میں قربان کرنے پر تیار ہوجائے، اپنی جان دینے پر تو ضرور آمادہ ہوگا۔ کیونکہ بیٹے کا ذبح کرنا اپنے ذبح کرنے سے اشد ہے، سخت ہے، ہمارے پورانے بڑے بورھے دعائیں دیتے تھے''اللہ تعالیٰ بچوں کو درد نہ دیکھائے''بچوں کی تکلیف اپنے سے زیادہ اشد ہوتی ہے۔

پس کامل تقویٰ یہ ہے کہ خداتعالیٰ کے واسطے جان دیدے یا جان کو اسکو سپرد کردے، جس کی ایک صورت ہے کہ ایسا کام کرے جس میں جان خرچ ہوجائے کہ اللہ کے دین کی جہد میں ساری عمر لگا رہے۔ تیسری آیت میں اس کی زیادہ تصریح ہے۔ فرماتے ہیں، وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَئُوْفٌ بِالْعِبَادِ (البقرہ . ۲۰۷)

یہ آیت اتفاق سے آیتِ حج سے ہی مرتبط ہے۔اسکے ساتھ جوڑی ہوئی ہے

اور قربانی کو بھی حج سے تعلق ہے۔ اس لئے دلیل بہت ہی واضح ہے، وہ اِرتباطات یہ ہے کہ اس مقام پر حق تعالیٰ نے حُجاج کی دعاؤں کو ذکر فرمایا کہ حج میں دعائیں کرنے والے کئی قسموں کے ہیں۔ چند قسموں کے ہیں۔ وہ ان اقسام کا ذکر حج کے ساتھ ہو رہے ہیں۔ مگر یہ تقسیم حجاج ہی کے ساتھ نہیں بلکہ عام تقسیم ہے۔ جس کا تحقق موقع حج میں بھی ہو جاتا ہے، کیونکہ یہ دعا کا مقام ہوتا ہے تو لوگ تین قسم کے ہوتے ہیں۔

وَمِنَ النَّا سِ مَنْ یَّقُوْلُ رَبَّنَآاٰتِنَافِی الدُّنْیا وَمَالَهٗ فِی الْاٰ خِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ (البقرہ ۔ ۲۰۰) کچھ لوگ ہوتے ہیں کعبے کے غلاف کو پکڑ کر ہاہ ہاہ، واہ واہ کرر ہے ہیں۔ دیکھنے والے سمجھتے ہیں، بڑا تعلق مع اللہ ہے، ایسی کسی اہل اللہ کو کہا اس کا دل مُنکشف ہوا تو وہ دنیا کو رو رہا تھا۔ اِسی کے متعلق ہے۔ بعض لوگ تو وہ ہے کہ یوں کہتے ہے، اے ہمارے پروردگار ہم کو جو کچھ دینا ہے دنیا میں دیدے، ان کے آخرت میں کچھ حصہ نہیں، یہ فرقہ تو منکرِ آخرت ہے کہ انکو آخرت کی اتنی زیادہ یقین نہیں ہے کیونکہ جو شخص آخرت کا قائل ہوگا وہ کبھی نہیں کہہ سکتا کہ مجھ کو سب کچھ دنیا ہی میں دیدے، آخرت میں دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

دوسرے قسم وہ ہے جو یوں کہتے ہیں۔ رَبَّنَآاٰتِنَافِی الدُّنْیاحَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَاعَذَابَ النَّار (البقرہ ۔ ۲۰۱) اَب اِس کی تفسیر حضرتؒ فرماتے ہے کہ حَسَنَةً ساری چیزوں کو شامل ہے اور بہت سے لوگ اس کو اپنے دنیاوی فتوحات تک ہی لیتے ہیں۔ اس کو حضرتؒ فرمارہے ہو کہ یہ اسکا معنی صحیح نہیں ہے حَسَنَةً فِی الدُّنْیا کا لفظ چاہتے ہے کہ حَسَنَة فِی الدُّنْیا سے مغائر ہے۔ ورنہ کلام کی تقدیر یہ

ہوگی رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنیا دنیا اس کا لفظ ہونا ظاہر ہے۔اور دنیاوی خوشحال بھی دنیا ہی ہے۔اور دنیا سے مغائر نہیں کیونکہ ہٹ کے نہیں ہے دوسری چیز، اس لئے یہ تفسیر صحیح نہیں ہوگی۔پس انگریزی کو حسنہ کا مصداق بنانا بالکل غلط ہے۔

یہاں تک دو قسمیں مذکور ہے۔پہلے قسم کا مصداق تو کافر ہے۔وہ صرف دنیا مانگتے ہے۔دوسری قسم کا مصداق عام مؤمن ہے کہ دونوں کو مانگتے ہے۔اور کیونکہ سباقِ کلام بتارہے ہے کہ تقسیم موقع حج ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عام ہے یہ جو عام دعائیں مانگی جاتی ہے۔اس میں بھی ایسے ہی ہوتے ہے۔اور عام آدمی میں بعض منافق بھی ہونگے۔اس لئے تیسری قسم منافقین کی ذکر کرتے ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَافِيْ قَلْبِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ٥ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ٥ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ٥ (البقره . ۲۰۴ تا ۲۰۶)

آگے یہ چوتھی قسم بیان فرماتے ہیں کہ جس کا مصداق مؤمن کامل ہے اسکو اس لئے الگ بیان فرمایا کہ پہلی صورت کو یعنی مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً کہ کوئی مؤمن کامل کے ساتھ مخصوص ذکر نہ کرے۔بس حق تعالیٰ کے بڑی رحمت ہے کہ مؤمن کامل کو مستقل بیان فرمایا۔چنانچہ ارشاد ہے۔وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ (البقره . ۲۰۷)

ترجمہ : بعض آدمی وہ ہے جو اپنی ذات کو اللہ کے رضا طلب کرنے کے لئے بیچ دیتے

ہیں۔اس میں دوقول ہے کہ شراء سے یہاں کیا مراد ہے۔بعض نے یشری کو بمعنی یشتری کیا ہے یعنی مؤمنوں سے ان کے نفس خرید لئے گئے ہے۔اُسی کو جاری رکھیں گے مؤمنوں کے شان کو۔

وَاخر دعوانا عن الحمد للہ رب العالمین

اللّٰھمّ صلّ علی محمدٍ عبدک ورسولک وصلِّ علی المؤمنین
والمؤمنات والمسلمین والمسلمات

ابتغاءمرضاتِ اللہ

یہ تیسری قسم کی مؤمنوں کی شان بیان کی جارہی ہے جس میں حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کے واقعہ تھا کہ انہوں نے کفار مکہ کو اپنے جائداد دے دی اپنی جان ان کے شر سے بچائی، یہ بات محض اتنی نیت کرنے سے حاصل نہیں ہوتی کہ میں اللہ کے واسطے جان بچا تا ہوں بلکہ غلبۂ حال سے حاصل ہوتی ہے کہ یہ اس امر کا حال بن جائے کہ جان میرے نہیں بلکہ اللہ کی ہے جس کی حفاظت اور خدمت میرے ذمے ہے۔ بدونِ اس حال کے نیت کے وہی مثال ہوگی۔ جیسے ایک سیدھے سادے مولوی نے سڈھوڑا کے ایک پیرزادے کو جبراًنماز کے لئے کھڑا کیا تھا۔ کوئی ایک ہوگئے نوجوان اپنے جوانی میں دیوانی میں ان کو نماز پڑھنے کے زبردستی کھڑا کیا۔ جب اسکو نیت کا ترتیب بتلایا تو وہ کہتے ہے کہ ''نیت کرتا ہوں چار رکعت نماز فرض کی اللہ کے واسطےظلم اس مولوی صاحب کا اللہ اکبر'' وہ بے چارہ سچا آدمی تھا۔ اس نے اللہ کے واسطے کہہ کر یہ بھی کہہ دیا کہ 'ظلم اس مولوی صاحب کا' ہم لوگ اپنے دل کے رعب کو ظاہر نہیں کرتے ہم کام کرتے ہے نفس کے ظلم سے اور کہتے یہ ہے کہ اللہ کے واسطے کرتے ہے۔ اس لئے میں ایسے موقعوں پہ کہا کرتا ہوں کہ شوق پورا کرنے کا نام عبادت نہیں ہے، امتثالِ عمل کا نام عبادت ہے، ہم لوگ بہت سے کام شوق پورا کرنے کے لئے کرتے ہیں۔ اللہ کے واسطے کرتے ہے ساتھ جس پر یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ احکامِ الٰہیہ میں ذرا سستی نہیں کرتا۔ وہ چھپتا نہیں ہے۔ انکے اپنے حالت یہ ہوتی کہ ایک تو احکامِ الٰہیہ

میں ذرا سستی نہیں کرتے خدا کے احکام میں سب سے زیادہ چست ہوتے ہیں جو حکم ہوا وہ فوراً کھڑے ہو جاتے ہے،

اور جب حق تعالیٰ حفاظتِ نفس کا حکم دیتے ہے اس وقت سب سے زیادہ اپنے حفاظت کرتا ہے ان کو اپنی جان سے اس لئے محبت نہیں ہوتی کہ وہ اپنی جان ہے بلکہ اس لئے محبت ہے کہ یہ خدا کی چیز ہے۔ سرکاری مشین ہے اللہ پاک نے یہ ہمارے حوالے کئے ہوتے ہے۔ جیسے کہ سرکاری ڈریبڑ (driver) ہوتا ہیں۔ مشین آپریٹر (MechineOprator) ہوتے ہیں۔ اسکی حفاظت کی انہوں نے تنخواہ ملتی ہے۔ remend کی reality، کی ان ساری چیزوں کی خیال رکھنے سے ان کو اسکی تنخواہ ملتی ہے۔ اس لئے اللہ پاک نے اس تحفظِ صحت جو اللہ پاک نے زندگی دی ہیں ان کو محفوظ رکھنا یہ واجبات میں سے قرار دیا۔ کہ سرکاری مشین دہی ہے اور اسکی حفاظت کے اوپر اجر کا وعدہ بھی فرمایا۔

اس لئے ہمارے حضرت حکیم الامت ؒ فرمایا کرتے تھے کہ تحفظِ صحت کی اشغال جو ہے (تحصیل مستحبات سے افضل ہے) جو تحفظِ صحت کے لئے ہے ایک بزرگ جو مشی (چلنے) کے لئے جاتے تھے۔ خود حضرت حکیم الامت بھی۔ آجکل اسکو جوگیں (jogging) کہتے ہے یعنی تیز رفتار (چلنا)۔ صبح جلدی نماز پڑھتے تھے سویرے میں احناف کے یہاں اسفار میں ہے کہ جب روشنی پھیل جاوے اس وقت۔ لیکن حضرت اسوجہ سے کہ حافظے بہت پکے تھے ایک منزل قرآن کی پڑھ لیتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ جو اشراق کی نیت سے مسجد میں بیٹھے ہوئے ہے اس سے زیادہ اجر کی امید رکھتا ہوں۔ کیونکہ وہ ایک نفل کی کوشش میں

بیٹھے ہوئے ہے اور میں ایک واجب کے کوشش میں جاتا ہوں اوران سے زیادہ اجر کی امید رکھتے ہے۔ اس لئے حضرت کا قول ہے کہ تحصیلِ تحفظِ صحت کی اشغال جو ہے تحصیل مستحبات سے افضل ہے۔ایک آدمی چھکپ (checkup) کے لئے گیا ہے یا دوائی کے لئے گیا ہے یا ضروری اس طرح مشیٰ (چلنا) ہے اس قسم کی۔

بس حضرت صھیبؓ کا فعل ظاہر میں تو معمولی معلوم ہوتا ہے مگر اس نیت و مال کی وجہ سے کہ وہ حق تعالیٰ کے بیاں بہت بڑا ہے۔ان کی یہ نیت مقبول ہوگئی اور آیت میں ان کی مدح کی گئی ہے۔ان کی شان بیان کی گئی ہے۔تعریف فرمائی ہے۔خواہ مال کہیں پہنچے۔ جسے کسی کی گھر میں آگ لگ گئی ہو۔وہ گو اسکا مال جل گیا۔صدقے میں نہیں گیا مگر ثواب تو ملا۔کیونکہ آیت ہے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ والثَّمَرَاتِ (البقرہ ۱۰۰) میں آفاتِ استراریت پر بھی ثواب کا وعدہ ہے جب کہ صبر کیا جائے۔یہ ساری حضرتؒ کی باتیں ہے انشاءاللہ جاری ہے

وَاخر دعوانا عن الحمد للہ رب العالمین

اللّھمّ صلّ علی محمدٍ عبدک ورسولک وصلِّ علی المؤمنین
والمؤمنات والمسلمین والمسلمات

وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ
والثَّمرات

آفاتِ استراریت پر جوانسان اپنی اختیار میں نہیں ہوتے۔ ان پہ بھی اللہ پاک نے اجر کا اور ثواب کا وعدہ فرمایا جبکہ صبر کیا جائے، بہرحال تقویٰ کامل کے معنی یہ ہے کہ اپنے جان خدائے تعالیٰ کے سپرد کردے جیسے کہ ابراہیم علیہ السلام نے سپرد کئے ہوئے تھے۔ اپنا جان مال، عزت آبرو سب کچھ جیسے وہ تصرف فرماتے تھے اسمیں کمی نہیں چھوڑتے تھے۔ اس کو صوفیاء کی اصطلاح میں فنا کہتے ہے کہ فنا ہوگئی ہے۔ ''فنا دے اپنی ہستی کو'' میرے نزدیک قربانی کی روح یہی ہے کہ جو حج میں قربانی ہے وہ یہی ہے کہ ہم اپنے آپ کو مٹادے تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں تمہارے قربانیوں کا لحوم ودماء حق تعالیٰ کے یہاں نہیں پہنچے اور اسکا خون اور گوشت وہ تو یہیں رہتے ہے بلکہ تقویٰ پہنچتے ہے۔ یعنی وہ دل کی حالت کو دیکھتے ہیں کہ قربانی کے وقت اپنی جان کو بھی ہمارے سپرد کر چکے ہیں یا نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ کے یہاں نیت ہی پہنچتی ہے۔ صورتِ شی نہیں پہنچتی۔

اس سے جو محرم (ہجری سال کی پہلی ماہ محرم الحرام ہے) کے رسم بعض اس طرح کے کرتے ہیں۔ شربت کا گاہ، رسمِ شربت کے لوگوں کو سبیل اللہ کہہ کر شربت پلاتے ہیں۔ غلط ہونا ثابت ہوگئے۔ جو لوگ محرم میں شربت پلاتے ہیں وہ یوں سمجھتے ہیں

کہ شربت کے ساتھ شربت ہی کی صورت میں پہنچتے ہے، کیونکہ حضراتِ شہداءِ کربلاء پیاسے شہید ہوئے تھے۔اس لئے یہ لوگ شربت ہی کا تصدق کرتے ہیں۔اس کا صدقہ کرتے ہیں تاکہ ان کو شربت پہنچ جائے۔اور تو یہ ہی غلط ہے کہ شربت تصدق کرنے سے ان اک شربت ہی پہنچے گا کیونکہ اللہ پاک نے قربانی کے مسائل میں فرمایا ہے کہ انکا لحوم ودماء وہاں نہیں پہنچتا۔ بلکہ تمہارے نیت ہی پہنچتی ہے کس درجے کی نیت ہے۔

دوسرے اس فعل یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے نزدیک حضراتِ شہداء نعوذ باللہ اب تک پیاسے ہی ہے۔عوام میں اسکے متعلق یہ حکایت بھی مشہور ہے کہ خیر آباد کے ایک بزرگ تھے۔ جنکے مرید نے زندہ پیر کی فاتحہ دلائی تھی۔اور فاتحہ میں گرم گرم کھیر تقسیم کی تھی۔ جب وہ پیر کے پاس آیا تو انہوں نے کہا میاں ذرا فاتحہ کے وقت گرم ٹھنڈک تو دیکھ لیا کرو۔تم نے گرم گرم کھیر دیئے جس سے میرے منہ میں چھالے پر گئے۔ یہ حکایت کسی کی گھڑی ہوئی ہے بس ایسی اختراعات کی بنا پر عوام کے یہ اعتقاد ہے کہ جو چیز صدقے کی جائے مُردوں کو وہ ہی پہنچتی ہے۔ حالانکہ نص سے معلوم ہوتا ہے حق تعالٰی کے یہاں نیت اور تقویٰ پہنچتے ہے کہ جس درجہ کی نیت ہوگی اللہ کے لئے وہ عمل ہوگا۔جس سے تقویٰ یا اپنے آپ کو سپرد کر چکے ہونگے ہر چیز میں۔اپنے رائے مٹ چکی ہوگی وہ پہنچتے ہے۔تقویٰ پہنچتے ہے۔لحم ودم نہیں پہنچتا کہ گوشت اور خون جو قربانی میں بہائی جاتی ہے وہ نہیں پہنچتا جو دلوں کی ارادے ہیں وہ پہنچتے ہیں۔تقویٰ کے جو معنٰی اس مقام پر ہے میں نے بیان کی ہے۔کہ جان خدا کی سپرد کر دینا۔

جس کے دوسرے عنوان فنا ہے۔اسکی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

یہ کہ حضرات صحابہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا مَاھٰذِہِ الْاَضَاحِیُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ کہ یہ قربانیت کیا چیز ہے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ لفظ 'ما' سوال عن الحقیقت کے لئے موضوع ہوتا ہے کہ جو پہلے آجائے کہ ما کے معنی یہ ہوتا ہے کہ اسکی حقیقت ہمیں بتادیجئے۔ اس کلام میں صحابہ نے حقیقت اُضحیہ سے سوال کیا ہے کہ قربانی کی حقیقت کیا ہے؟ اسکے جواب میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ سُنَّۃُ اَبِیْکُمْ اِبْرَاھِیْمَ عَلَیْہِ السَّلَامُ سنتِ ابراہیم علیہ السلام کی سنت سے مراد طریقہ ہے انکی جواب کا حاصل یہ ہوا ہے کہ حقیقتِ اُضحیہ وہ ہے جو ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ انکے خاص مذاق ہے۔ ذوق ہے۔ اب دیکھنے چاہیئے کہ ابراہیم علیہ السلام کا فعل کیا تھا۔ اگر دُنبہ کو ذبح کرنا مراد لیا جائے تو یہ بعید ہے کیونکہ وہ انکا فعل قصدًا نہ تھا۔ بلکہ بغیر قصد تھا اسکا اصل فعل تو وہ ہی تھا جو قرآن میں مذکور ہے۔ یٰبُنَیَّ اِنِّیْۤ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْۤ اَذْبَحُکَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی قَالَ یٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ. فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّہٗ لِلْجَبِیْنِ. وَنَادَیْنٰہُ اَنْ یّٰۤاِبْرٰھِیْمُ. قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا اِنَّا کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ. اِنَّ ھٰذَا لَھُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ. وَفَدَیْنٰہُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ.

(الصفت ۱۰۴ تا ۱۰۷)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا اصل فعل ذبح ولد تھا اپنے بیٹے کو اور دنبہ کو ذبح کرنا خدا تعالیٰ کی طرف سے اسکا بدل اور فدیہ تھا۔

باقی اِسمیں اہل علم کے اختلاف ہے کہ وہ ولدِ ذبح کون ہے اسماعیل علیہ السلام تھے یا اسحاق علیہ السلام ہے۔ جمہور کے یہی قول ہے کہ اسماعیل ہے۔ یہ ہی صحیح ہے۔

جس کی ایک دلیل یہ ہے کہ ذبحِ ولد کے قصہ بیان فرما کر حق تعالیٰ آگے فرماتے ہیں۔

وَبَشَّرْنَاهُ بِاِسْحَاقَ نَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِيْنَ (الصّٰفّٰت . ۱۱۲)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آگے بشارتِ اسحاق علیہ السلام سے مقدم ہے پہلے کا واقعہ ہے۔اس لئے وہ ذبح نہیں ہوسکتے۔

دوسرے لطیف دلیل یہ ہے کہ یقیناً جس ولد کو ذبح کیا گیا بلوغ سے پہلے کیا گیا۔کیونکہ نص میں یہ ایک مذکور ہے۔

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْىَ (الصّٰفّٰت . ۱۰۲)

کہ جب وہ لڑکا چلنے اور دوڑنے کے عمر کو پہنچ گیا۔یہ حالتِ بلوغ سے پہلے ہو جاتی ہے۔ایک مقدمہ تو یہ ہوا۔

دوسرے مقدمہ کا اسکے ساتھ یہ ملائیے ہے کہ اسحاق علیہ السلام کی بشارت کے ساتھ انکا صاحب اولاد ہونا بھی بتلا دیئے گئے ہے۔

مِنْ وَّرَآءِ اِسْحَاقَ يَعْقُوْبَ (ھود . ۷۱)

اور وحی قطعی ہوتی ہے،اب اگر انکے ذبح کا امر ہوتا تو ابراہیم علیہ السلام کو عین ذبح کے وقت وحی ثابت کی وجہ سے انکے عدمِ موت کا پورا یقین ہوتا ہے کہ یہ صاحب اولاد ہونے سے پہلے کس طرح نہیں مرسکتے۔کیونکہ پھر انکے نسل کا بھی بتایا گیا۔اس ذبح میں بلاءٌ مبین اور امتحان ہی کیا ہوتا۔اور اسماعیل علیہ السلام کے متعلق اس قسم کی بشارت کوئی نہ تھی۔وہ اسماعیل علیہ السلام کے بعد انکے اولاد ہوگی۔اس لئے صحیح یہ ہی ہے کہ ذبح اسماعیل ہی ہے۔بہر حال ابراہیم علیہ السلام کا فعل بیٹے کو ذبح کرنا تو اب تو

حضور کی جواب کا حاصل یہ ہوا۔ الاضحیۃ ذبح الولد یعنی قربانی حقیقت میں اپنے اولاد کو ذبح کرنا ہے۔

وَاخر دعوانا عن الحمد للہ رب العالمین

اَللّٰھمّ صلّ علی محمدٍ عبدک ورسولک وصلِّ علی المؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات

سنتِ ابراہیمی کا مصداق

اگر لفظ سنت پر نظر کی جائے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ ذبحِ ولد ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت نہیں۔ کیونکہ سنت اس فعل کو کہتے ہیں۔ جس پر مواظبت اور دوام ہو کہ جس میں جسکا ضبط کیا جائے۔ اور ہمیشہ کیا جائے۔ اور ذبحِ ولد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف ایک ہی دفعہ کیا۔ بس سنتِ ابراہیمی کا مصداق وہ فعل ہونا چاہیئے۔ جو انکا دائمی طریقہ ہو اور وہ درحقیقت اسلام ہے۔ اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے سپرد کردینا ہے۔ جس کو فنا کہتے ہے۔ یہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خاص مذاق اور دائمی طریقہ تھا۔

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (البقرہ . ۱۳۱)

کہ جب ان سے کہا گیا کہ مانو اسلام لے آؤ تو قال کہ ہم اپنے رب کے لئے اسلام لے آئے۔ مان چکے اسکو۔ اور ذبح ولد اسکی صورت تھی تو اس میں جو بھی رب کا حکم ہوا اسکے سامنے سرتسلیم خام اسکی صورت تھی وہ اسلامِ نفس کے مناسب صورت ظاہر میں یہ تھی کہ ان کو قتلِ نفس کا عمل کیا جاتا۔ مگر اسکے بجائے ذبح ولد کی صورت اس لئے اختیار کی گئی یہ قتل نفس سے بھی اشد ہے۔

اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ سے یہ مراد تھی کہ وہ اگر اس کو جان کی قربانی کی تھی تو کہ وہ اپنی جان کی قربانی اپنے آپ کو قتل کرنے کا ہوتا تو تم قتل کرو لیکن مگر اس کو تو اپنے لڑکے کا کیا گیا کہ جو اشد تھی اپنے جان دینے سے بھی۔ جو زیادہ مشکل امتحان تھا۔ چنانچہ ہر

صاحب بھی سمجھتا ہے۔ خصوصًا جو کسی کا باپ بھی بن چکا ہو۔ وہ جانتا ہے کہ وہ باب اپنی موت اور اپنی کلفت بیٹی کی موت اور کلفت سے سہل ہوتی ہے۔ کہ اپنی جان کے اوپر بھی کوئی تکلیف آجائے اس سے زیادہ اسکو مشکل ہوتی ہے۔ اپنی بیٹے کی، اولاد کی حفاظت کے لئے انسان اپنے جان پر کھیل جاتا ہے یہ اشدیت فی نفسہٖ ہے۔ کہ اپنی جان سے زیادہ شدید تعلق اولاد سے ہوتے ہے۔ اسکی صورت ہے۔ نیز اس درجے سے بھی اشد ہے کہ اپنا قتل تو ایک ساتھ کی کلفت ہے تھوڑی دیر کے لئے تکلیف برداشت کیا اور ختم کیا اور ذبحِ ولد عمر بھر کے لئے سہنے جان کا ہے کہ یہ ساری عمر ایک دکھ دینے والا واقعہ ہے کسی کے وجہ سے اسکے ہاتھ سے ذبح ہو جائے۔ عمر بھر اسکے دل پر آرڑ چلیں گے۔ اس لئے اسلام نفس کی یہ صورت اختیار کی گئی ہے کہ وہ بچے کی قربانی کو اسکے مانتا ہے کہ یہ صورت اختیار کی گئی ہے۔

اب یہ اشکال ہوگا کہ قربانی تو جانور کی ہوتی ہے نہ کہ ولد کی۔ ابراہیم علیہ السلام تو اپنے لڑکے کو لے گیا لیکن جنت سے ایک مینڈا آیا اور اس سے وہ ذبح ہوا۔ نہ کہ ولد کی پھر سنتِ ابراہیم کیوں کر ہوئی۔ جواب اس کا پہلے کلام سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ حق تعالیٰ نے اپنی عنایت سے تمہارے جان کا عوض حیوان کی جان کو بنادیا جیسے کہ ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں بھی نفس اسماعیل علیہ السلام کا جو حکم عین نفس ابراہیم تھے۔ فدیہ ذبح کبش کو قرار دیا گیا تھا کہ جو ابراہیم علیہ السلام کا اپنی جان سے پھر کے اپنی اولاد کو وہ حکم ہوا تو اسکو اسی وقت جب کہ وہ کرنے والے تھے اللہ پاک نے اسکے بدلے میں ایک دُنبہ لاکے وہ جنت سے جو ذبح ہوا اس کو قرار دیا۔ کہ اجر میں وہ ذبح ولد کے برابر تھا۔

کیونکہ وہ تو اپنی پوری قوت سے اپنے لڑکے کے اوپر چھڑی چلا رہے تھے۔ اجر

اس کا اپنے لڑکے کے ملے۔ اسی طرح جانور کی قربانی بھی ثواب میں اپنی جان دینے کے برابر ہے کہ وہ اس برابر ہے وہ بھی بزیل نفس قربانی کے روح ہے جس کے واسطے میں نے ایک شعر پڑھا تھا۔

چو رسید بقوے دل بھر بس پار جانے مضطر کہ بار دیگر نفس بدیل تمنا

کہ حق تعالی کی کتنے بڑے رحمت عنایت ہے کہ چند روپیہ خرچ کرنے میں اتنا بڑا اجر دیدیتے ہے مگر جب قربانی کے نانور آپ کی جان کی عوض ہے تو اسکو کچھ تو ایسا ہونا چاہیئے کہ محبوب اور پیارا ہو۔

اب جو لوگ سڑیل سے سڑیل اور گھٹیل سے گھٹیل جانور خریدنے کا فکر کرتے ہیں یہ زیبا نہیں۔ لیکن اگر عمدہ مال ہو اور سستا بھی مل جائے اسکا مضائقہ نہیں یہ تو آج بشر المؤمن اور غنیمت باد دیتے ہم خرم اور ہم ثواب۔

آج بشر المؤمن کے یہ تو اللہ پاک جلدی سے خرید لیتے ہے۔ وہی ثواب کے کھجورے بھی کھائے۔ اللہ پاک اجر بھی دے۔ وہ افطاری کی وجہ سے ہے۔ بعض لوگ تو چھان چھان کر خراب جانور خریدتے ہیں۔ اس کی ممانعت ہے۔ اسی کو جاری رکھیں گے۔

وَاخر دعوانا عن الحمد للہ رب العالمین

اللّٰھمّ صلّ علی محمدٍ عبدک ورسولک وصلِ علی المؤمنین
والمؤمنات والمسلمین والمسلمات

شیطان کا دھوکا

الشیطان یعد کم الفقر ویأ مرکم بالفحشاء واللّٰہ یعد کم مغفرۃ منہ
وفضلاً (البقرہ ۔ ۲۶۸)

شیطان کا دھوکا یہ ہے کہ وہ تم کو فقر سے ڈراتا ہے کہ غریب ہوجاؤ نگے۔ فقیر ہوجاؤ نگے۔ مال کو جوڑ کے رکھو اور بے حیائی کی بات بتلاتا ہے۔ فحشاء سے مراد یہاں مفسرین کے نزدیک بخل ہے۔ واقعی یہ ہے کہ کیسی بے حیائی کی بات ہے کہ یہ خدا ہی کا مال اسکے حکم سے بھی دینا نہیں چاہتا آگے زیادہ ہمت بڑھاتے ہیں واللّٰہ یعد کم مغفرۃ منہ وفضلا ۔ اگر اللہ تعالیٰ تم سے انفاق پر اللہ کے راستے میں خرچ پر مغفرت کا وعدہ فرماتے ہیں۔ اور فضل جو ہے وہ مال کی ترقی کو کہتے ہے اور ترقی مال و دولت کی امید دلاتے ہے۔

بس مطمئن رہو کہ صدقہ وخیرات سے مال میں کمی نہیں آئے گی۔ بلکہ ترقی ہوگی حدیث میں اس کی زیادہ تصریح ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے قسم کھا کر فرمایا ہے کہ صدقہ سے مال کم نہیں ہوتا آگے وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ یہ ایک اشکال کا جواب ہے کہ حق تعالیٰ بڑی وسعت والے ہیں۔ ان کی یہاں کچھ کمی نہیں۔ اس لئے وعدۂ فضل پر شبہ نہ کرو کہ وہ تمہیں مالی ترقی دینگے۔ اور وہ ہر شخص کے عمل کئے کو خوب جانتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ وسوسہ نہ کرو کہ اتنے آدمیوں میں ہمارے عمل کی کیا خبر ہوگی۔ ان سے ذرہ برابر کسی کا عمل مخفی نہیں ہے۔

وَمَنْ یَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَہٗ (الزلزال ۔ ۷)

آ گے توفیق پر حوالہ کرتے ہیں۔ یُؤْتِی الْحِکْمَۃَ مَنْ یَّشَاءُ وَمَنْ یُّؤْتَی الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّا اُولُوا الْاَلْبَابِ (البقرہ ۲۶۹)

یعنی جس کو چاہتے ہیں فہم اور حکمت عطا فرماتے ہیں جس کو فہم عطا ہوگئی اس کو خیر کثیر مل گئی۔

صوفیاء میں حکمت جو ہے یہ قوتِ عقلیہ کی اعتدال کے درجے کو کہتے ہے۔ کہ اگر گھٹ جائے تو وہ احمق ہوتے ہے اور بھر جائے تو تیز دماغ ہوتے ہے چالاک ہوتے ہے اور اعتدال والا درجہ فہم اور حکمت والا ہوتا ہے اور عقل والے ہی بات کو سمجھتے ہے اور اس میں ان لوگوں کو متنبہ فرمادیا جو اعمال صالحہ رہے ہیں کہ وہ اس پر ناز نہ کرے۔ عجاب، عجب اپنے اعمال کے اوپر پھول اور تکبر اختیار نہ کرے۔ یہ حق تعالیٰ کی رحمت ہے۔ جو تم کو دین کی سمجھ دی۔ اور اعمالِ صالحہ کی توفیق عطا فرمائی۔ بہرحال فقر کے اندیشہ نہ کرو۔ اور خدا کے نام ہر جہاں تک ہوسکے عمدہ جانور کو ذبح کرو۔ جس کو ذبح کر کے دل دکھے۔ جیسے کہ اپنے جان کو پیش کرتے یا بیٹے کو ذبح کرتے تو دل دکھتا۔ اور ویسے تو کہاں دل دکھے گا۔ لیکن کچھ تو مال ایسا ہو جس کو ذبح کر کے دل پر کچھ چوٹ لگے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (آل عمران ۹۲)

مراد بالکامل ہے مگر بالکامل تم کو اس وقت تک حاصل نہ ہوگی۔ جب تک کہ محبوب شی کو خرچ نہ کروگے۔

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیْمٌ (آل عمران ۹۲)

میرے نزدیک اس آیت میں من شیء مما تحبون کا بیان نہیں بلکہ اس کے

مقابل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بالکامل تو محبوب شی ہی کے انفاق سے حاصل ہوگی۔ کہ اچھی چیز اللہ کے راستے میں خرچ کرو۔ جو کچھ بھی خرچ کرو اللہ تعالیٰ کو اسکا علم ہے۔ کچھ نہ کچھ ثواب مل ہی جائیگا۔ انفاق محبوب کی صورت ایسی ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں اچھی چیز کو خرچ کرے۔

اس کی مثال ایسی ہوتی ہے۔ جیسے حضرت مولانا محمد حسن صاحبؒ نے ایک بار قربانی کی تھی۔ آپ نے قربانی سے کئی مہینے پہلے ایک گائے خریدی۔ اور اسکو خوب دانہ کھلایا پلایا، اور عصر کے بعد جنگل میں اپنے ساتھ لے جاکر دوڑایا کرتے تھے۔ قربانی کے وقت تک وہ اتنی تیاری ہوگئی کہ اس ارزانی کے زمانے میں بھی کسائی کی قیمت اسی ۸۰ روپے دے رہے تھے۔ یعنی اسی ہزار آج کا ہزار اس زمانے کے ایک روپیہ کے برابر تھا۔ آج کل گرانی کے زمانے میں تو نہ معلوم کتنے رقم ہوتی ہے۔ مگر مولانا نے کسی کو نہ دیا۔ قربانی کی ذبح کیا کہ وہ ذبح ہوئی تو مولانا کے دل پر اثر ہوا۔ اور آنکھوں سے آنسو آگئے۔ کیونکہ عرصہ تک ساتھ رکھتے ہے پرورش کرنے سے اسکے ساتھ محبت ہوگئی تھی۔ اس پر کوئی یہ نہ کہے کہ رنج کے ساتھ ذبح کرنا تو اچھا نہیں، بلکہ خوشی کے ساتھ ذبح کرنا چاہیئے، کیونکہ حضرت فاطمہؓ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا؛

یَافَطِمَۃُ اُحْضَرِیْ اُضْحِیَّتَکِ وَطَیِّبْ بِھَا نَفْسَھَا

اے فاطمہ آپ نے قربانی کو خوب سے خوب بنا کر پیش کرو قربانی۔ لہذا ایسے جانور ذبح کرے جسکے ذبح سے خوشی ہوا، اچھا ہوا۔ سو یہ خیال غلط ہے حدیث میں طیب نفس کا امر ہے کہ اچھی اور خوش عقلی ہے اور جو کہہ رہا ہے انہوں نے ایسا جانور ذبح کرے جس

سے دل دکھے۔ یہ رنج تب بھی ہے۔ جو عقل خوشی کے منافی ہے۔ جس قسم کے آدمی پالتے ہے پوستے ہے اسکے ساتھ ایک تعلق پیدا ہو جاتے ہے۔ تو اسکے جدائی پہ ہوتا ہے ایک افسوس یا رنج تو وہ طبیعت کی چیز ہے۔ عقلی نہیں ہے۔ عقل خوش ہوتے ہے کہ چلو اللہ کے راستے میں دیدیا ہے۔ اس کو جاری رکھیں گے۔

وَاخر دعوانا عن الحمد للہ رب العالمین

اللّھمّ صلّ علی محمدٍ عبدک ورسولک وصلِّ علی المؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات

صوفیاء کی کمائی

وَمَاانفقتُم مِنْ شَیْءٍ فَھُوَ یَخْلُفُہٗ وَھُوَ خَیْرُ الرَّازِقِیْنَ

یہ شروع سے آرہا ہے کہ انؐ کو نہ قربانی کا گوشت پہنچتا ہے۔ نہ اسکا خون پہنچتا ہے، مگر تمہارے دلوں کا تقویٰ پہنچتا ہے۔ اسی کو حضرتؒ چلا رہے ہے۔ کہ بڑے سلاطین یا بادشاہ ان کا یہ انداز ہوتے ہیں کہ پہلے مشاہدہ ہوتے ان سے ملاقات انکے دربار میں پہنچ کر پھر نذرانہ پیش کئے جاتے ہیں، اور حج میں بھی یہی ہے کہ عرفات روحِ مشاہدہ ہے اسکی۔ اور قربانی اسکا نذرانہ ہے۔ سلاطین نذرانہ رکھا نہیں کرتے۔ بلکہ اس پر ہاتھ پھیر کر ہاتھ رکھ کر قبول کر کے عام طور پر واپس لوٹا دیتے ہیں۔ یہاں بھی یہی معاملہ ہے چنانچہ گوشت تو فوراً ہی دیدیا گیا ہے کہ کھاؤ، دوستوں کو کھلاؤ، دو یا سارا اپنے پاس رکھو سب جائز ہے، پہلے امتوں کی قربانی کا گوشت کھانا جائز نہ تھا۔ بلکہ ذبح کر کے پہاڑ پر رکھ دیتے ہے غائب سے ایک آگ آ کر جلا دیتے ہے۔ یہ اس امت کی خصوصیت ہے کہ اسکی قربانی کے گوشت واپس کر دیا گیا۔ جو چاہو کرو۔ دوسری واپسی یہ ہے جس کو اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے کہ وَمَاانفَقتُم مِّنْ شَیْءٍ کہ تم جو کچھ خرچ کرتے ہے حق تعالیٰ اسکی عوض عطا فرماتے ہیں۔ اور وہ سب دینے والوں میں بہتر ہیں۔ وھو خیر الرازقین وہ اصل سے بہتر ہوگا۔ پس قربانی میں صورۃً آپ جانور کی جان پیش کرتے ہیں۔ اور حقیقۃً اپنے جان پیش کرتے ہیں کہ ہم نے اپنے گردن اپنے آپ کو مٹا دیا

ہوتے ہیں، اللہ جو چاہینگے وہ کرینگے، جیسا کہ اوپر معلوم ہوا کہ اس کی حقیقت اسلام نفس ہے، وہاں اسکے بدلے میں آپ کو دوسری جان ملتی ہے جو اس سے بدرجہٗ افضل ہوتی ہے۔

جس کی حقیقت دو مثالوں سے آپ سمجھ جائینگے، ایک تو عاصف الدولہ کی ایک حقیقت ہے حکایت ہے اس کی کہانیوں میں، اس نے بوڑھیا کی سِل اینٹ کو سونے کا بنا دیا تھا۔ واقعہ کہ یہ ہے کہ عاصف الدولہ نے ایک بوڑھیا کو دیکھا کہ اصطبل میں ایک سِل دیئے ہوئے گھوڑے کے سُم پر پاؤں پہ رگر رہی تھی۔ پوچھا میاں کیا کرتی ہو۔ کہا بیٹا میں نے سنا ہے کہ عاصف الدولہ کی گھوڑے کی سُم اگر پتھر کو پر جائے تو وہ سونا ہو جاتا ہے، کہتا ہے سچ ہے مگر تم کو رگرنا نہیں آتا تم سِل چھوڑ جاؤں میں سونا بنا دونگا۔ وہ چھوڑ کر چلی گئی۔ حکم دیا کہ اس سل کے برابر ایک اور اِینٹ سونے کی اینٹ بنوائی جائے اور بوڑھیا جب آیا تو اسکی سامنے میں رکھ دی جائے۔ جب وہ بوڑھیا آئی اسکو حوالہ کر دیا۔ کہا لو تمہارے سِل سونے سے بن گئے۔ سخیوں کا معاملہ ایسے ہوتا ہے کہ مٹی کو لے کے سونا دیدیتے تھا۔

دوسرا حقیقت مثنوی میں مولانا رومؒ نے بیان کیا ہے۔ ھارون رشیدؒ کا حضرتؒ نے نام نہیں لکھا لیکن میں نے ہارون رشید کا نام لیا رہوں کہ ایک دیہاتی بہت غریب تھا جس پر فاقے گزرتے تھے۔ اور اسکی گاؤں میں قحط شدید ہوا کہ کنواں تالاب خشک ہو گئے۔ جیسے ہمارے تھر وغیرہ میں آجکل ریت علاقوں میں ایسی ہی ہوتا ہے کہ ریگستانوں میں۔ اس کے بیوی نے ایک دن کہا کہ خلیفہ بغداد ہارون رشیدؒ سنا ہے بہت

کریم ہے تم اسکے پاس جاؤں، شاید تمہارا فقر و فاقہ زائل ہو جائے۔ اس نے کہا خلیفہ کے پاس جانے کے لئے کوئی میرے پاس ہدیہ اور نذرانہ بھی تو نہیں ہے اور ہدیہ ہونا چاہیئے۔ خالی ہاتھ کیونکر چلوں۔ اور میرے پاس اسکے لائق ہدیہ کہاں ہے۔ بیوی نے کہا ہمارے فلاں گڑھا کا جو کنواں بنا کے اپنے گھڑوں میں پانی جمع کرتے تھے۔ جو صاف شفاف کچھ پانی جمع ہے ایسا پانی خلیفہ نے کہاں دیکھا ہے تو اس دیہاتی کو کیا پتہ ہوگا۔ 'تھر' کے والوں کو کیا پتہ ہے کہ کراچی والوں کو کیا نکھرے ہوتے ہے۔ تو ایسا پانی خلیفہ نے کہاں دیکھا ہو۔ تو پانی ایک گھڑ میں بھر کے جاؤ تو مرد بھی سمجھ میں آ گئے۔ چنانچہ گھر کے گھڑا بھر کے لے چلا مٹی کے گھڑے ہوتے ہے اس کو سر پر اٹھا کر چلا۔ عورت بھی مصلی بچھا کر اس صاف پاک پانی صحیح سالم پہنچنے کے لئے دعا کرنا شروع کردی۔ مولانا اس کو فرماتے ہے۔

ے زن مصلی باز کرد از نیاز　　　رب سلّم درد کردہ در نماز

اس عورت نے مصلے کے اوپر اللہ سے مناجات اور مانگنا شروع کردیا کہ ربِ سلم اے اللہ سلامتی سے گھڑا پہنچا کیجئے۔ ٹھوکر نہ لگے میرے میاں کو گھڑا ٹوٹ نہ جائے۔ اُدھر وہ تمام راستے میاں بھی ربِ سلم ربِ سلم کا ورد کرتا ہوا چلا کہ ''اے اللہ سلامتی سے میرا گھڑا پہنچا کہ الٰہی اس گھڑے کی خیال رہے اور میرے قدم کی بھی خیال رہے کہ ٹھوکر میں نہ لگ جائے۔ کیونکہ اس بیمارے کے پاس سب کچھ یہی تھا۔ بالکل اسی طرح انبیاء علیہم السلام جتنے پیغمبر ہیں پلصراط پر اپنے اپنے امتوں کے لئے ربِ سلم ربِ سلم کے ساتھ دعا فرمائینگے کہ اپنی مسلمانوں کے قدموں کو لرزش سے بچائے کہ جہنم میں نہ گر

جائے کہ خدا خدا کر کے سلامتی کے ساتھ وہ گھڑا بغداد پہنچا۔ اور دربار میں اطلاع اور اذن کے بعد حاضر کیا گیا کہ ایک دیہاتی آئے اور بادشاہ سے ملنے کے لئے تو بادشاہ اجازت دیئے۔

خلیفہ نے پوچھا یہ کیا ہے تو وہ بُدو کہتا ہے دیہاتی کہتا ہے ھٰذا ماء الجنة یہ جنت کا پانی میں لایا ایسا پانی کسی نے کبھی نہ پیو گے۔ خلیفہ نے گھڑے کو کھولنے کا حکم دیا چونکہ عرصہ کا بند کیا ہوا تھا اس لئے کھولتے ہی دربار سڑ گیا۔ بدبو پھیلی۔ سو یہی حالت ہمارے اعمال کی ہے جو ہم نے نماز پڑھتے ہیں الحال کرتے ہیں۔ ایسے سڑے ہوئے اعمال ہوتے ہیں۔ جو ہمارے بدن سے لکھتے ہے گھڑے سڑے ہوئے ہے، مگر خلیفہ کا کرم دیکھیئے۔ ہارون رشیدؒ کا کرم دیکھیئے کہ اس نے ذرا بھی کسی انداز سے بدو پر یہ ظاہر نہ ہونے دیا کہ اسکو اس کی بدبو سے ایذاء ہوئی۔ تکلیف ہوئی بلکہ کمال یہ کیا کہ سرِ دربار سے ایک گلاس بھروا کر چکھا منھ کے ساتھ لے کے اور بہت تعریف کی کہ نہایت نفیس پانی ہے اس کو خاص اہتمام سے فلان جگہ رکھا جائے۔ چنانچہ اس وقت تو اٹھوا کر کسی جگہ رکھ دیا گیا اور اِسکے جانے کے بعد گرا دیا گیا۔ یہی معاملہ بلاتشویش حق تعالیٰ ہمارے ساتھ فرماتے ہیں کہ ہمارے اعمال تو سرے ہوئے ہے مگر حق تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے انکی قدر فرماتے ہیں پھر خلیفہ نے حکم دیا کہ اس بدو کا گھڑا سونے کے اشرفیان سے بھر کر واپس کیا جائے۔ اور خادم سے کہا کہ اسکو پیچھے کے دروازے سے دجلا کے راستے سے جانے کا راستہ بتلادو۔ تا کہ ایک تو یہ پُر فضا ماحول دیکھے گا۔ تھکان اسکی دور ہو جائیگی دجلہ کی کنارے پہ ہریالی دیکھے گا اسے تھکا ہوا ہے تو اسکی دور ہو جائے گی۔ فرحت ہوگی

اسکو نیز اسکو اپنے ہدیے کی حقیقت اور ہمارے کرم کی عظمت کا شاہدہ ہو جائیگا۔ چنانچہ وہ دجلہ پر پہنچا اور اسکی لطافت اور شریفی کو دیکھا تو وہ دیہاتی شرم سے پانی پانی ہوگئی۔ اللہ اللہ یہ خلیفہ کیسا کریم ہے۔ اسکو میرے گدلے اور متعفر پانی کی کیا ضرورت تھی۔ جس کے شہر میں ایسی صاف شفاف نہر اور دریا چل رہے ہو۔ اَب معلوم ہوا کہ خلیفہ نے اس کی ہدیے کی جو تعریف کی تھی وہ محض اسکی دل جوئی تھی۔

سو یہی معاملہ ہمارے ساتھ ہوتا ہے کہ ہمارے حسنات حقیقت میں یہ ہی بدبو دار چیزیں ہے، سڑی ہوئی ہے، جو ہم سے جاتی ہے مگر حق تعالیٰ کے کرم ہے ان کو اطاعت ہی شمار کر لیتے ہیں کہ خوب کام کیا۔ خوب کیا تعریف فرمادیتے ہیں۔ اور ہم کو مطیعین میں داخل کر رہے تھے۔ اطاعت کرنے ولے ہیں۔ یہی ہے **یبدل اللہ سیئتھم حسنات** یہی اسکی تشریح ہے۔ ہمارے سری ہوئی چیزوں کو اللہ پاک نیکیوں کی بدل دیتے ہیں۔

وَاخر دعوانا عن الحمد للہ رب العالمین

اللّھمّ صلّ علی محمدٍ عبدک ورسولک وصلِ علی المؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات

عود العید

یہ حضرت کا بیان کے تسلسل ہے۔ایک شبہ کو رفع کرنا باقی ہے۔پس پھر مجلس ختم میں وہ شبہ بھی ایسے شخص کا ہوگا جس نے میرے تقریر حدیثِ سنت ابیکم ابراھیم کے متعلق پرسوں کے بیان میں ہوئی جس کے نام میں نے سنت ابراہیم رکھا ہے۔سنی ہوگی۔ یا بعض ضبط اسکے نظر سے گزرے گی۔اول میں اس تقریر کا خلاصہ بیان کرتا ہوں۔پھر اس سے جو شبہ ہوسکتا ہے اسکو زائل کرونگا پھر اسکا جواب دونگا۔وہ تقریر ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے صحابہ نے عرض کیا۔ مَاھٰذِہِ الْاَضَاحِیُ یَارَسُوْ لَ اللہِ ﷺ یہ قربانیت کیا چیز ہے،آپ ﷺ نے فرمایاسُنَّۃُ اَبِیْکُمْ اِبْرَاھِیْمَ سو عہد کرنے اس نے یہ بیان کیا تھا۔آپ ﷺ سے صحابہ نے قربانی کی حقیقت پوچھی تھی،آپ ﷺ نے حقیقت بیان فرمائی جسکا حاصل یہ ہے کہ سنت ہے ابراہیم علیہ السلام کی اور ظاہر ہے کہ سنت سے مراد ہر سنت تو ہے نہیں۔کیونکہ ابراہیم علیہ السلام کا ہر فعل تو قربانی نہیں ہے بلکہ مراد سنت خاص ہے۔سنتِ خاصہ پہ جواب یہ ہے کہ التضحیۃ سنۃ خاصۃ لِاِبْرَاھِیْمَ پس ایک مقدمہ تو یہ ہوا جو حدیث سے ثابت ہے۔

اب دیکھنا چاہئے کہ وہ سنت خاصہ کونسا فعل ہے۔سو قرآن میں جو اسکے متعلق قصہ مذکور ہے اس میں دو فعل منقول ہے۔ایک ذبح ولد اپنے لڑکے کو لے کے اسکو ذبح کرنے کے لئے نکلنا۔دوسرا ذبح کبش۔دوسرا جو دنبہ (مینڈا) آیا جنت سے اس کا ذبح

فدیہ کے طور پر۔اور ہر چند کے سر سری نظر میں جو آپ کا اخیر فعل ہے یعنی ذبح کبش مینڈا کا ذبح کیا وہ مصداق معلوم ہوتا ہے سنتِ ابراہیم علیہ السلام کا۔ وہ وہی سچا ثابت ہوتا ہے کہ اس سے وہ جو ذبح کیا گیا ہے وہی جو مینڈا جنت سے آیا تھا۔لیکن غور کر کے دیکھا جائے اس بنا پر کہ اصل مامور تو ذبح ولد تھا آپ کو حکم تو اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کا تھا۔یہی احق ہے۔اور سنت کی مصداق ہونے کا اصل سنت تو یہی ہے۔

پس دوسرا مقدمہ یہ ہوا کہ سنت ابراہیم ذبح ولد جو قرآن سے ثابت ہے۔ اسکے عدم وقوع کو ماننے ارادہ نہ سمجھا جائے کہ ابراہیم علیہ السلام پکے ارادے کے ساتھ اپنے بیٹے کو لے کے گئے ہے۔ کیونکہ ذبح بمعنی ذبح گردن جو کہ فعل اختیاری ہے وہ تو واقع ہوا ہے کہ انہوں نے انکو بھی لیٹایا۔اور خود بھی اپنے انکھوں کو بھی پٹی باندھی۔اور چھڑی بھی چلائی۔البتہ اس کا ایسا ستاو یعنی مثبوت شدن واقع نہیں ہوا۔چھڑی چلانے کے باوجود بھی چھڑی کو حکم نہیں تھا کہ اسماعیل علیہ السلام کی گردن کاٹے تو ذبح یہ عدم وقوع کا حکم یہ غلط ہے۔

نیز انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہے وحی میں غلط کا احتمال نہیں، چونکہ انکو حکم تھا خواب میں کہ اے بیٹے اِنِّیْ اَرٰیکَ فِی الْمَنَامِ میں نے دیکھا ہے کہ آپ کو ذبح کررہا ہوں۔وحی میں غلط کے احتمال نہیں ہے۔اور جواب اِنِّیْ اَذْبَحُکَ نص ہے۔تو ضرور ذبح کا واقع کیا جائے گا۔کہ جب خود قرآن میں ہے کہ میں تمہیں ذبح کررہا ہوں، پس جب اسکے مصداق ہوا تو عبارت جواب کی یہ ہوئی۔التضحیۃ ذبح الولد ہے کہ اپنے بیٹے کو ذبح کرنا ہی قربانی ہے، ظاہر ہے کہ یہ حمل ظاہراً صحیح نہیں ہے اگر اس

قسم کے ہم اسکو علمی جامہ پہنائی تو صحیح نہیں ہے تصحیح کی ضروری ہے۔ کیونکہ دونوں مقدمے صحیح ہوتو نتیجے ضرور صحیح ہوگا۔ یعنی تضحیہ ذبح ولد لڑکے کی گردن پہ چھڑی چلانا۔ اوراسکے نتیجے بالمانع اصطاحی نہ سمجھا جائے کیونکہ وہ لازم ہوتا ہے صغری اور کبری کو جتنے بھی چیزیں ہے کیونکہ ابراہیم علیہ السلام تو وہ لے گئے تھے۔ اور یہاں سنت ابراہیم ذبح ولد جو مقدمہ ثانیہ ہے۔ کلیہ نہیں۔ مگر مدعی کا اثبات اسکے کبریٰ ہونے کے طور پر کیا بھی نہیں گیا۔ کیونکہ ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بچالیا۔ بلکہ تقریر کی توجیہ یہ ہے کہ سنت سے مراد ذبح ولد ہے تو جملہ تضحیہ التضحیہ سنت ابراہیم میں بجائے لفظ سنت ابراہیم کے لفظِ ذبح ولد رکوہ دوتو عبارت یہ بن جائیگی۔ للتضحیة ذبح الولد اور یہی مدعی تھا۔ اور اللہ پاک نے انکے امتحان دیا۔ یہی اسمیں غرض تھی۔

غرض جب دونوں مقدمے صحیح ہے تو مدعی بھی صحیح ہونا لازم ہے پس اسکو سمجھنا چاہیئے یہاں موضوع ومحمول نے دو دو احتمال ہونے سے کل چار احتمال اسمیں ہوسکتے ہے۔

(۱) صورت تضحیہ صورت ذبحِ ولد

(۲) روح تضحیہ روح ذبح ولد

(۳) صورت تضحیہ روح ذبح ولد

(۴) روح تضحیہ صورت ذبح ولد

بہر حال ثانی کے سبب کا بتلا ظاہر ہے۔ پس ثانی متعین ہوگئی یعنی دونوں فعلِ کے روح اور لُب جو مغز ہے۔ مغز ایک ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تضحیہ کی جو حقیقت اور مغز ہے وہ وہ ہے جو ذبح ولد کی حقیقت اور مغز ہے کہ اس سے اپنے سب سے پیارے چیز کو

قربان کرنا۔اب یہ بات رہے گی کہ وہ مغز ذبح ولد کا کیا ہے۔اسکو روحِ تضحیہ کہا جائیگا، سومغز ذبح ولد کے بالکل امر وجدائی ہے۔وہی ہے امر کہ تصور کیا جائے کہ اگر بحقوق حق میں ولد کوذبح کرڈالوتو مجھ پر کیا حالت گزرے۔سو ظاہر ہے کہ سخت ناگواری طبعی گذرے ہوئے ایسے حالت اس فعل کو کرڈالنا یہ اس ناگواری طبعی کو برداشت کرلینا ہوا۔ بس وہ امر جو گذرے ہوئے یہ ہوا کہ طبعی ناگواری شدید کو خدا کے حکم سے برداشت کرنا۔ اسکو صوفیاء کی اصطلاح میں فنا نفس کہتے ہے، جس کو اوپر تفصیل سے پہلے بیان ہے۔

پس روح ذبح ولد کی فناء نفس ٹھہرا۔بس یہی فناء نفس روح تضحیہ کی ہوئی۔بس جملہ تضحیہ ذبح ولد کے یہ ہوئے کہ روح تضحیہ ذبح ولد۔بس حقیقت تضحیہ کے فناء نفس ہوا کہ حقیقت قربانی جو وہ نفس کو قربانی کرنا ہوا۔اس پر ختم کرتا ہوں۔

وَاخر دعوانا عن الحمد للہ رب العالمین

اللّٰھمّ صلّ علی محمدٍ عبدک ورسولک وصلِّ علی المؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات

الصورۃ التضحیہ والروح

تضحیہ ایک تو مشکل ہے عمل کی ۔ایک اسکی روح کے جب روح اور حقیقت تضحیہ کی یہ ہے تو خود اس تضحیہ میں اور اسکے متعلق جمیع احکام اور اعمال میں نفس کا ذرا اتباع نہ کیا جائے۔ صورت تو یہی ہوتی کہ ایک بکڑے کو یا دنبے کو یا جانور کو ذبح کیا جاتا ہے۔ پھر اسکے اپنے احکام ہے۔ اور روح جو ہے اس تضحیہ کی اپنے نفس کو فنا کرنا اور اپنے سارے خواہشات کو ذبح کرنا، اللہ کے احکام کے سامنے مٹادینا۔ جس کو صوفیاء نے فنا کہتے ہیں۔ حقیقت تضحیہ کی یہ ہے تو خود اس تضحیہ میں (قربانی کی جانور کو تضحیہ کہتے ہیں) اور اسکے متعلق جمیع احکام اور اعمال میں نفس کا ذرا اتباع نہ کیا جائے۔ آگے کی زندگی میں پھر نفس کو نفسانیت کو چھوڑ دیا جائے۔ اور رب چاہی والی زندگی گذارے جو رب چاہتے ہیں اللہ چاہتے ہیں۔ مَن چاہی چھوڑے۔ رب چاہی اختیار کرے ذرا اتباع نہ کیا جائے۔ بالکل احکام شریعت کے اتباع کیا جائے۔ جیسے اللہ پاک کے احکام سے اپنے اکابرین کے تشریحات کے تسلسل میں ایسے نہیں کہ بس خود اپنے طور پر قرآن اکا بھی ماہر بن جائے۔ حدیث کے بھی ماہر بن جائے۔ اپنے خود نفسانیت ہے۔ جب اپنے بڑوں کی اتباع نہیں آتی تو پھر رسول کی اور اللہ کی اتباع کیسے آئیگی۔ واجبات میں لزوماً بالکل احکام شریعت کا اتباع کیا جائے، اپنے اکابرین کی تشریحات کے حساب سے ،ایسے نہیں کہ اس میں ہم لڑے جھگڑے کی بات نہیں کرتے۔ کیونکہ تشریحات میں اگر

کسی کا مسلک مثلاً امام شافعیؒ کے ذوق یہ ہے۔ وہ بھی بڑے ہے ہمارے۔ امام مالکؒ کے ذوق پہ ہے وہ بھی ہمارے بڑے ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ کے ذوق پہ ہے۔ وہ بھی بڑے ہے۔ انکی تشریحات کا بھی پورا احترام کیا جائے۔ اپنا چھوڑے نہیں دوسروں کو چھیڑے نہیں۔ واجبات میں لزوماً لازماً ان کی باتوں کو مانے جائے اور مستحبات میں بطریق محبت۔

اب پھر اس میں جو ہمارے مستحبات میں اور سنت کی چیزیں اسمیں ذرا تفصیل ہے۔ ایک ہے سنن عادات یعنی عادیہ جو رہن سہن کی ہے۔ اٹھنے بیٹھنے کی ہے۔ زندگی میں گذارنے کی ہے۔ اور وہ اسمیں بڑی گنجائش ہوتی ہے۔ اسمیں موسم کی حساب کا، علاقوں کی حساب کا، معاشرے کی حساب کا رعایت رکھی گئی ہے۔ اور اہل محبت کے لئے پھر اس کی گنجائش ہے کہ وہ ان چیزوں میں بھی عمل کرے۔ لیکن عوام میں سننِ عبادات، عبودیہ، جو ہے عبادت کی سنتیں، اسکو زیادہ اُجاگر کرنا چاہیئے۔

بس یہ حاصل تھا اس تقریر کا۔ اس تقریر سے یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ تقریر سنتِ ابراہیم سے تو قربانی کی حقیقت فناء نفس معلوم ہوتی ہے۔ اور آج کی تقریر عود العید سے قربانی کی حقیقت تعظیم بالقلب معلوم ہوتی ہے۔ جن کا ترجمان تکبّر اور اسکا توڑ جو ہے تکبیر باللسان ہے جس کا ترجمان ہے کہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَااِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰـہِ الْحَمْدُ وہ زبان سے کہتے جائیں۔ پس ان میں تدافع ہوتا ہے، جو چیزیں اللہ کی معرفت میں یا جو تکبیر کی چیزیں ہے، اسکو کم کرنے میں تکبیرات زبان سے کہتا ہے، ذکر جو ہوتا ہے وہ توڑ ہوتا ہے روحانی امراض کا۔ جواب یہ ہے کہ سنتِ ابراہیم

میں حقیقت بمعنی ماہیت ہے چنانچہ حدیث میں ہے ہملیس کی دلیل ہے۔اور عود العید
میں حقیقت بمعنی غایت ہے۔قرآن میں 'لام' کے لتکبر اللہ۔اس کی دلیل ہے
تکبر اللہ سے پہلے ''لام'' ہے تاکید ہے اور صوفیاء کی اصطلاح میں لفظ حقیقت کے
اطلاق دونوں معنے میں شائع ہے کہ ان دونوں کے جو معنی ہے وہ حقیقت اس پہ آتی ہے
کہ حقیقت میں اسکی اشاعت ہے۔اور حقیقت کو بیان کرتا ہے۔اس اصطلاح پر دونوں
تقریروں میں لفظ حقیقت دارک ہوگیا کہ دونوں چیزیں اسمیں وہ حقیقت کی نشاندہی
کررہی ہے۔پس کچھ تدافع نہ رہا۔ان کے اندر آپس میں کوئی فاصلہ نہ رہا۔باوجود اسکے
میں نے تقریر عود العید میں لفظ حقیقت کو بھی سمجھایا ہے،اب ختم کرتا ہوں اس غایت پر بھی
میں وہی احکام متفرع کرتا ہوں۔وہی آپ لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہے،احکام جو
سنتِ ابراہیم میں۔حقیقت تضحیہ صورت،تو ہم نے جانور کو کاٹا لیکن حقیقت جو ہے
فنا نفس اس سے نکلتی ہے کہ اپنے نفس کو مٹاؤ اللہ کی۔من چاہی چھوڑو۔رب چاہی اختیار
کرو،فنا نفس پر متفرع کئے تھے۔یعنی جب حکمت اس اطاعت کی تکبیر بالقلب واللسان
ہے۔وہ تسبیحات جو ہے۔ اللہ اکبر اللہ اکبر لاالہ الا اللہ واللہ اکبر
اللہ اکبر وللہ الحمد چاہے دل سے پڑھو یا زبان سے پڑھو۔اس تکبیر کے لئے لازم
ہے نفس کی تصغیر کہ نفس کو جب اللہ پاک کی بڑائی پہ نظر ہوگی اپنے نفس کو چھوٹا پن سمجھ
جائینگے کہ ہم تو کچھ نہیں ہے۔

پس کبیر کے مقابلے میں صغیر کے اتباع نہ کیا جائے۔جو اللہ پاک بہت بڑی
شان والے ہیں۔وہ کبیر ہیں،اسکے مقابلے میں اپنا جو نفس جو کوئی شی نہیں ہے۔اُسی کی

تخلیق ہے۔اسکی اتباع نہ کیا جائے۔کبیر ہی کے احکام کا متبوع اصل قرار دیا جائے رب چاہی اختیار کی جائے۔کبیر اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہیں۔ جو ہمارے رب ہے۔اسکی اتباع کی جائے۔اس کو مانا جائے۔اصل قرار دیا جائے کہ اصل یہی ہے کہ اللہ کے احکام ماں لی۔ اسکے سامنے گردن ڈالدے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ان احکام میں مثل جمیع احکام کے نفس کا ذرا اتباع نہ کیا جائے۔ زندگی کے سارے امور میں اسکو پلے پالے کے جورب کا حکم ہو۔ اسکے سامنے پھر ساری چیزیں کے چھوڑ دیا جائے۔ اسکے سامنے اپنے گردن بھی پیش کیا جائے۔پس ترجیح احکام نصوص اور احکام النفوس لازم عام ہے کہ اس کو اللہ پاک سارے چیزوں میں، احکام میں یہ لازم ہے کہ ہم رب چاہی اختیار کرے۔اور من چاہی جو اپنا دل میں آیا ہے چھوڑے وہ شریعت کے خلاف ہو۔

وعظ سنت حقیقت کے لئے وعظ عود العید کے غایت کے لئے۔سو اس طرح سے دونوں وعظوں کی تفریعات میں متماثل ہوگئی ہے چونکہ یہ قربانی کے دنوں سے یہ چل رہے ہے۔اور اُسی کی ہے تو دونوں آپس میں ایک جیسی ہے۔تکراؤ نہیں ہے۔اسی پہ ختم کرتا ہوں۔

وَاخر دعوانا عن الحمد للہ رب العالمین

اللّٰھمّ صلّ علی محمدٍ عبدک ورسولک وصلِّ علی المؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات

کیا قربانی خلافِ عقل ہے؟

اگر کوئی کہے کہ حق تعالیٰ خرچ کرا کر لیتے بھی نہیں ہے۔ جیسے پہلے آیا ہے کہ آیت میں کہ آپ کا قربانی کے گوشت وخون نہیں پہنچتا۔ مگر تقویٰ پہنچتا ہے دلوں کا۔ کیونکہ خرچ کراتے ہیں لیتے تھی نہیں پھر کیا چیز مطلوب ہے۔ اس سے مقصود کیا ہے۔ اگر گوشت کھلانا ہم کو منظور ہے تو منی اور مکہ میں ہزاروں جانور ذبح ہوتے ہے۔ انکا کوئی گوشت بھی نہیں کھاتا۔ بالکل ضائع ہوتے ہے اور یہ عقل کے خلاف ہے تو جواب اسکے یہ ہے کہ 'جنابِ مَن ہے تو فحش بات'۔ لیکن تفہیم کے لئے عرض ہے سمجھانے کے لئے کہ اگر ہمارے عقل میں سے کسی شیء کا آنا خلاف عقل ہونے کی دلیل ہے تو ہمارا آپ کا پیدا ہونا جس طریقے سے ہے وہ بھی عقل کے خلاف ہے۔ اور اسکے امتحان یہ ہے کہ ایک بچے ایسا تجویذ کیا جائے کہ وہ تہ خانے میں پرورش کیا جائے اور کسی نے کبھی اسکا تذکرہ نہ کیا جائے۔ کہ آدمی کس طرح پیدا ہوتا ہے حتّٰی کہ جب بیس ۲۰ برس کا ہو جائے تو اس سے دفعتًہ کہا جائے کہ آدمی اس طور سے پیدا ہوتا ہے تو وہ ہرگز اسکے عقل میں نہ آئیگا۔ چونکہ رات دن دیکھتے ہے سنتے ہے کہ اس طریقے کے ساتھ پیدا ہوتا ہے اس لئے ہم کو خلاف عقل کا معلوم نہیں ہوتا۔ تو جناب ہم تو جب سے پیدا ہوئے ہے۔ ہمارے تمام حالات ہی خلاف عقل ہے اللہ بھی قدرت نشانیاں دیکھاتے ہیں۔ ہمار نے عقل تو بس کھانے کمانے کی ہے۔ ایسے ہی جیسے کسی بھوکے سے پوچھا تھا دو اور دو کتنے ہوتے ہے

۔کہاچار روٹیاں۔ایسے ہی ہمارے عقل سے بھی اس قدر ہے کہ کھالواور پی لواور باتیں بنالو۔ جب اتنی عقل ہے تواِسرارِشریعت کہ کہاں سے سمجھ میں آئینگے۔شریعت کی جو باریک چیزیں ہے۔ایسے ہی نفسِ اضحیہ قربانی بالاتقسیم لحم کے بھی حکمت ہے کہ قربانی کرلیااور گوشت سارے کے سارے اپنے پاس رکھ لیااوراسے اپنے استعمال میں، یہ بھی جائز ہے۔اور حکمت ہے اس میں اگر ہمارے عقل میں نہ آئے تو قابل انکار کیسے ہوگی، اس لئے ہمارے ذمے ضروری نہیں ہے کہ اس حکمت اورراز کو بیان کریں۔لیکن تبراً بتاتے دیتے ہے۔وہ یہ کہ اصل میں سنت ابراہیم کے اتباع ہے۔شیءِ محبوب کے انفاق مقصود ہے کہ جو چیزیں تمہیں اچھی لگیں۔اسکواللہ کے راستے میں خرچ کرو۔اوروہ صرف جانور ذبح کرنے سے حاصل ہو جاتا ہے۔

اوراس وقت کااب بھی جو ہمارے جتنے بھی تھڑ کے علاقے میں۔سندھ کے علاقے میں بھر پوڑ کے جورجستان وغیرہ کے علاقے میں۔یاافریقی صحراء میں۔توان میں مال مالداری بہت بڑی قیمتی چیز ہے۔لاءف ستائل (life staly) جسکو کہتے ہے ساری دنیا کے سرور اسی میں ہوتی ہے وہ صرف جانور ذبح کرنے سے حاصل ہو۔چونکہ گوشت کوخواہ رکھے ہے یاتقسیم کریں۔دوسری بات یہ ہے کہ اصل عمل تو یہ تھا کہ بیٹے کوذبح کریں، لیکن اول تو سب کے بیٹا ہوتانہیں۔دوسرا یہ کہ اگر یہ حکم ہوتا تو بہت کم ایسے نکلتے ہے جو یہ عمل کرتے ، یہ حق تعالیٰ کے فضل ہے کہ جانور کو قائم مقام ذبحِ ولد کردیا۔وہ بتادیا کہ یہ اسکی جگہ پہ ہے۔تواس جانور کے اندرضرور ایسے صفات ہونا ضروری ہے، جس سے قائم مقام ولد کا ہو۔اوروہ یہ کہ خوب موٹا تازہ جانور ہو کہ جسکوذبح

کرتے ہوئے کچھ تو دل دکھے۔ جیسے ذبح ولد بھی لڑکے کو جیسے ذبح کرنا میں دل دکھتا ہے بالکل مریل نہ ہو۔ جسکے ذبح ہو جانے کو غنیمت سمجھے کہ اچھا ہے کہ مُردار نہیں ہوا، حلال ہو گیا اچھا ہوا اس سے کام نکل آیا۔

حضرت عمرؓ کے زمانے میں ایک ناقہ (اونٹنی) ذبح کی تھی، جس کی قیمت تین سو اشرفیاں تھی۔ یہ جو لوگوں کی عادت ہے کہ کم قیمت جانور ذبح کر دیتے ہے۔ یاد رکھو وہاں بھی ایسے ہی ملے گا۔ یہ آخرت کی سواریاں ہے اور جبکہ وہ تم کو ہی ملنے والا ہے تو اس قدر اس میں خرچ کرو۔ اپنی ہی واسطے جہاں۔ یہاں اپنی اچھی سے اچھی سواری کی فکر کرتے ہے وہاں پہ بھی یہی آپ کی سواریاں ہونگی تو اچھی سی صحت مند قیمتی کو آگے بھیجو۔ اور یاد رکھو کہ صدقے سے مال گھٹتا نہیں۔ حدیث میں ہے

لاَ یَنۡقُصُ الۡمَالُ مِنۡ صَدَقَۃٍ قَطُّ

اس کے معنی یہ نہیں کہ اگر دس روپے پاس ہے تو دس ہی رہتے ہے، مطلب یہ ہے کہ برکت ہوتی ہے اور کام آتا ہے۔ اگر صدقہ نہ رہتا تو وہ اِدھر اُدھر زائل ہو جاتے ہے۔ وہ صدقہ دینے سے جس طرح جس قدر باقی رہتے ہے۔ وہ سب اسکے کام آتا ہے اور اسمیں برکت ہوتی ہے۔ اس لئے کہنا ہے کہ قربانی میں مال زائل کرنا ہے۔ جیسے آجکل نو تعلیم یافتہ یا روشن دماغ اصحاب کے خیال ہے، یہ ساری چیزوں بھی کہتے ہے حج کے بارے میں بھی اور قربانی کے بارے میں بھی اپنے اندازوں کے متعلق انجیو (NIGO) سے۔ آج کل بنی ہو۔ خدمتِ خلق کے معیار مقرر کرتے ہے اپنے عقل کے حساب سے، یہ سارے حضرت اس کا جواب دے رہے ہے۔ ہمارے عقل تو صرف کھانے پینے سے

آگے چل نہیں سکتی۔ اور شریعت جو وحی کے علوم ہے جو ہر زمانے میں اور ہر حالات کی ضرورتوں پہ محیط ہے۔ آجکل کے تعلیم یافتہ اصحاب کے خیال ہے یہ سراسر غلط ہے۔

قربانی کے مقصود اظہار محبت ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔ اور وہ اس میں حاصل ہے۔ پھر مال زائل کہاں ہوا اور کہاں جائے کہ جی دکھتا ہے کہ ہمارے اشیاء جاتی رہی۔ جواب یہ ہے کہ وہ شیء تمہاری ہے ہی کہاں۔۔۔؟ تم خود اپنی ہو ہی نہیں۔ تمہارے شیء کہاں سے آئی۔ تم خود مملوک ہو۔ اللہ کے پیدا کئے ہو۔ اس کی مِلک میں۔ غلام کیسے شیء کا مالک ہوا کرتا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ ہم مملوک نہیں ہے۔ اوّل تو کون ایسا ہوگا جس کے یہ اعتقاد ہو کہ ہم اللہ کے مملوک نہیں ہے۔ دوسرا یہ کہ اس کی کیا دلیل ہے۔ وہ یہ کہ دیکھو خودکشی حرام ہے۔ اگر تم اپنے مالک ہوتے تو اپنے اندر جو چاہتے ہے تصرف کر سکتے تھے بس آپ خود کے ہے خدا کی ہے اور جانور بھی خدا کی۔ اگر کوئی کہہ کر جان مال خرچ کرنے سے تو دل تنگ نہیں ہوتا بلکہ اسکے دل دکھتا ہے کہ جانور کی جان زائل ہوتی ہے۔ جواب یہ ہے کہ آپ بے فکر رہیئے، یہ خود مالک کی زائل کرائے تو اسکو کون ہے بڑے دردمن نکل کر آئے۔ ان کو سمجھائے اور انکے سامنے اپنے بات رکھے۔

ہر عیب کہ سلطان بھی پسند ہونا است

جس عیب کو بادشاہ پسند کرے وہی کمال ہوتا ہے۔ اگر کسی طرح اسکی حکمت سمجھ میں نہ آئے تو اس طرح سمجھو کہ بعض دوائیاں تو مؤثر بالکیفیت ہوتی ہے۔ اور بعض مؤثر بالخاصہ ہوتی ہے۔ کچھ دوائیں جو آنتیر یٹٹ ہوتی ہے، کیوریں ہوتی ہے۔ جو اس کے مرض کو اندر سے اصلاح کرتی ہے اور بعض جو بیٹمن ہوتی ہے۔

ہم یہ کہتے ہے کہ نصوص سے ثابت ہو گیا کہ اعمال سارے مؤثر بالخاصہ ہے یہ بالکل اس وقت تک کہ روحانی امراض کے بھی علاج ہے۔ آگے کے بھی کرامت ہے۔ ہم کو حضور ﷺ کے فرمانے سے معلوم ہوا کہ اضحیہ ہمارے لئے نافع ہے۔ اس میں خاصہ ہے کہ ہم کو لام (ل) اور علت معلوم نہیں۔ ہم ان چکڑوں میں نہ پڑے کیونکہ اور کیسے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہے کہ اے عزیز محمد بن زکریا طبیب اگر کہدے (ایک طبیب کا نام تھا جو امام غزالی کے زمانے میں تھا) کہ فلان دوا میں یہ خاصہ ہے تو اسکی کہنے پر تو ایسا یقین رکھتے ہے اس میں شبہ نہیں ہوتا۔ اور محمد بن عبداللہ ﷺ کے کسی فعل کے خاصہ بیان فرماتے ہے تو اس میں تجھ کو شبہ ہوتا ہے۔ بفضلہٖ تعالیٰ بقدر ضرورت فضیلتِ اضحیت ثابت ہو گئی۔ اسی پر اکتفاء کرتے ہے۔

وَاخر دعوانا عن الحمد للہ رب العالمین

اللّھمّ صلّ علی محمدٍ عبدک ورسولک وصلِّ علی المؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات

عبادات کی خصوصیات

اوّل یہ سمجھنا چاہئے کہ کسی عبادت کی خواص جو مبنیٰ فضیلت کے ہیں جس کو اللہ پاک نے شرف فضیلت ہے ان کی چند قسمیں ہیں۔حصر عقلی کے ایک دماغی طور پر جس چیز کی ایسا سمجھ کیا جائے اس کو حصر کہتے ہے تخمیناً کیا جائے۔حصر عقلی تو ہو ہی نہیں سکتا تو وحی کی جتنی چیزیں ہیں وہ ہمارے دماغ کی اس سے بہت اونچی ہوتی ہے جہاں دماغ کے حدود ختم ہوتی ہے وحی کے علوم وہاں سے شروع ہوتے ہے لیکن تتبع واستقرار کے پانچ خواص ہے جو فضائل مبنی اور اسباب بن سکتا ہے۔

فالواپ (follow-up) کرنے سے اور دیکھنے سے اور ہمیشگی کی وجہ سے اس میں سے پانچ چیزیں نکلتے ہے جس کو ہم فضیلت کے ساتھ اسباب کہہ سکتے ہیں۔

اوّل سبب تو وہ ہے کہ جس کا مربع اسی عبادت کے حقیقت کی طرف ہے اس لئے کہ ہر ایک عبادت کی ایک حقیقت ہے اس کی اعتبار سے گا ہے اس کو فضیلت کی ہوتی ہے جیسے نماز کی حقیقت رکوع، سجدہ، قیام، قرأت ہے یہ فرائض کے اندر تو یہی نماز کی حقیقت ہے اسی طرح دوسری بات آتے ہے روزہ کے حقیقت ''امساک عن الاکل والشرب والجماع'' کھانے، پینے اور اپنے جائز بیوی کے پاس جانے سے منع کیا گیا ہے یہ روزے کی حقیقت ہے اسی طرح قربانی کی بھی ایک حقیقت ہے ''اراقۃ الدم فی زمان مخصوص لوجہ اللہ''کسی جانور کو اللہ کے راستے میں قربان کردینا اللہ کے رضا کے ہے۔

دوسری فضیلت کی وجہ سے زمانے کی فضیلت کے اعتبار سے ہوتا ہے ایک تو فضیلت جواس عبادت کی اٹھان ہے یااس کی وجہ سے دوسرا وقت کی وجہ سے ہوتی ہے ۔کہ اس کی وجہ زمانے چونکہ بابرکت ہے اس لئے اس کوفضیلت ہے جیسے فرض روزے کی فضیلت زمانے کی روزے کی فضیلت کی وجہ ہے ۔یعنی ماہ رمضان اور ظاہر کے ہرایک زمانے حقیقت سے خارج ہے لیکن اس کو دخل ضرور ہے چنانچہ اس کے شرف کے عبادات کا شرف بھی بڑھ جاتا ہے رمضان کے مہینے میں عبادات کی اجر بھی بڑھ جاتا ہے۔اس کا شرف بھی بڑھ جاتا ہے شرافت کرامت بڑھ جاتی ہے۔بعض زمانے ایسے بھی سمجھینگے کہ ان میں عبادات منع ہے جیسے ایام تشریق یاعیدین کی دنوں میں روزہ منع ہے۔

تیسری وجہ مکان ہے کہ مکان عبادت کا ایسا مقرر کیا گیا ہے کہ جس کے شرف سے اس عبادت کی شرف بڑھ گیا ہے جیسے جگہ ہوتے ہے،عبادت گاہیں ہیں جیسے نماز ہے کہ فی نفسہ سے بھی اس میں فضیلت ہے لیکن مسجد میں ہوتو زیادہ فضیلت بڑھ جاتی ہے نماز جواپنے گھر میں پڑھی جائے جومسجد میں جماعت کے ساتھ پڑھی جائے توستائیس گنا بڑھ جائے ہے ہاں بعض عوارض کی وجہ سے جیسے کہیں اخبار مقصود ہواس سے نوافل گھر میں افضل ہو جاتے ہے،نماز فرض کیلئے وہ ہے اگر کوئی نفلی پڑھتے تواپنے گھر میں پڑھے تواس کو پسند کیا گیا ہے اس قاعدے سے سنت مؤکدہ بھی گھر ہی میں افضل ہے،لیکن ان کا مسجد میں پڑھنا اس لئے افضل ہے کہ مسلمانوں میں بعض فرقے ایسے پیدا ہو گئے تھے کہ ان کے نزدیک سنن ہی مأمور بہ نہیں ہے۔جیسے یہاں پہ ماحول

ہے فرض میں آئے آگے پیچھے چلے جاتے ہے جو حضرت اس کی طرف اشارہ کرر ہے ہیں۔تو اگر کوئی شخص نہ پڑھیگا تو شبہ ہو سکتے کہ شاید یہ شخص اسی فرقے میں ہو اس لئے حضرت صبح کی نماز کے سنتیں اکثر مسجد میں جا کے پڑھتے تھے،فرماتے کہ سنت کے اظہار کی ضرورت ہے منکرین سنت کی جماعت پیدا ہو گئی ہیں۔باقی فرضوں کیلئے یہی افضل ہے کہ مسجد ہو اور اس کی فضیلت اس لیۓ ہے کہ مسجد ایک شریف جگہ ہے شرف کی عزت کی کرامت کی جگہ ہے،وہاں ملائکہ کی اجتماع ہوتا ہے ہر وقت فرشتے موجود ہوتے ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی نسبت ہے اللہ کا گھر کہتے ہیں، علے ھذا یہی اسی دلیل کے اوپر ساری چیزوں کو لے لیتی ہیں یہاں تو وقت فضیلت والا ہوتا ہے جگہ فضیلت والی ہوتی ہے۔حج کی فضیلت بوجہ مکان کے بھی حج کی فضیلت کو لیجیئے کہ یہ حرام شریف اور مکہ مکرمہ کے پاس اسکا یہ ہے سارا وقوع ہے۔

چوتھی وجہ جو فضیلت کی غایہ ہے اس کے مراد اور اس کا آخری حدف کیا ہے؟اور غایت کے مراد غایت مختصر ہے جو غایت خواہ دنیا میں مرتب ہو جیسے روزے میں قوت بہیمیہ کے انکسار ہے ان کو جانور والی صفتیں ہے وہ کمزور بڑھ جاتی ہے جانور پنا ختم ہو جاتے ہے یہ آخرت میں جیسے کہ حدیث میں آئی کہ صائمین جنت کے باب الریان سے جائینگیں ان کیلئے جنت میں خاص دروازہ ہے اور اس پر بھی کوئی کہے کہ اگر کوئی شخص نماز نہ پڑھے اور روزہ رکھے تو باب الریان سے کیسا جائے گا اس لئے ترک صلوٰۃ سے دوزخ میں جائے گا جواب یہ کہ مطلب ہے کہ روزہ کا فی نفسہٖ مقتضاء یہ ہے کہ وہ باب الریان سے جائے بشرطیکہ کوئی مانع نہ ہو اس اجر میں کوئی رکاوٹ نہ ہو یہاں

ترک صلوٰۃ مانع ہے نماز پہ نماز ہی ہونا یہ خود رکاوٹ ہوگیا یہی اشکال ہو جو شخص نماز
اور روزہ دونوں ادا کرے تو نماز کے اقتضاء تو یہ ہے کہ باب الصلوٰۃ لے جائے
اور روزے کے مقتضاء یہ ہے کہ باب الریان سے جائے اللہ پاک نے ان عبادات کی
بھی علٰحدہ دروازوں کو ذکر فرمایا ہے تو دونوں بابوں سے کیسے جائے گا۔ جواب یہ ہے کہ
جو جس پر غالب ہوگی اس دروازے سے جائے گا مثلاً اگر کسی کو نماز سے زیادہ دل چسپی
ہے، فرض نماز کا بھی اہتمام کرتا ہے نفلوں کا بھی کرتا ہے تو باب الصلوٰۃ سے جائے گا،
اگر روزے سے زیادہ لگاؤ ہے فرض روزوں کا بھی اہتمام کرتا ہے نفلوں کی بھی کرتا ہے
تو باب الریاں سے جائے گا۔

پانچواں سبب فضیلت کا یہ ہے کہ بانی یعنی بادی سے عبادت کے ایک فضیلت
رکھتا ہے یا تو فعل اس نے خود کیا تھا جو عبادت کرنے والے ہیں اور حق تعالیٰ کو پسند آ گیا
اس کو عبادت بنا دیا یا ابتداءً اللہ تعالیٰ نے اس پر فرض کیا ہے پہلی صورت میں حق تعالیٰ کی
پسند آنیکی قید اس لئے بڑھائی کی کہ کسی فعل کی عبادت ہونے کیلئے محض رہ کافی نہیں ہے
تاوقتیکہ وحی سے اس کی تاکید اور تقویت نہ ہو۔ جتنی بھی عبادات ہے اس کو ایک تو ہے
کسبی جو ہے وہ کرتے ہے لوگ ہمارے بزرگان دین معالجاً بہت سی چیز کراتے وہ پھر
پہلے جیسے ہوتا ہے نا کہتے ہے کہ ذکر مبتدی کے لئے دوا ہوتی ہے اور منتہی کیلئے غذا ہو جاتی
ہے تو عبادت کی اصل شکل منتہی جب ہو اس میں پختگی آجاتی ہے۔ اور وحی سے تاکید اور
تقویت ملنی شروع ہو جاتی ہے تو وہ پھر عبادت ہو جاتی ہے باقی رہا جس شبہ کی جس نے
اوّل کیا اس نے محض رہ کیوں کیا بایہ ہے کہ اس نے اس کو علی وجہ الخصوصیت عبادت سمجھ

کرنہیں کیا بلکہ اس نے اپنے اجتہاد سے کسی کلی مصلحت سے کیا تھا جو میں کہہ رہا ہوں
چنانچہ صوفیاء شروع میں معالجات قرار تے ہے پھر وہ فعل اللہ کو پسند آ گیا اور اسکی عبادت
بنا دیا چنانچہ اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ کے قصہ مجھ کو یاد آ گیا۔ حضرت اسماعیل
علیہ السلام شیر خوار بچے تھے حضرت ابرہیم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ ہاجرہ کو مع ان کے بچے
کے مکہ کے میدان میں چھوڑ دو۔ اللہ اکبر کیسے حکم کے امتثال کرنے والے تھے، کہ اس
وادی میں جہاں نہ پانی تھا نہ دانہ تھا ذرہ خیال نہ آیا کہ ان کے کیا حشر ہوگا فوراً ان کو وہاں
سے لے جا کر کعبہ کے پاس زمزم کے پاس اتار دیا۔ خیر ابرہیم علیہ السلام تو پھر بھی بہت
بڑے انسان اور مرد تھے اللہ کے خلیل تھے صاحب وحی تھے لیکن ہاجرہ بیوی صاحب وحی
نہ تھی اس حالت میں کہ دودھ پیتا بچہ ساتھ تھا، میدان ایسا تھا وہاں نہ دانہ نہ پانی اور احتمال
یہ کہ کوئی بھیڑیئے کوئی درندہ آ کر کیا جائے لیکن سب باتوں کو کچھ خیال نہ کیا اور نہ ان کے
متعلق کچھ سوال کیا، سوال تو کیا تو کیا یہ پوچھا کہ ہم کو یہاں ایسے چھوڑے جائے
ہو یا اللہ کے حکم ہے؟ فرمایا خدا کا حکم ہے کہ کہتی ہے کہ اِذً لَایُضِیعَنَا کہ وہ ہمیں ضائع
نہیں فرمائینگے۔ دیکھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جملے سے یہ حکم خداوندی ہے انکو
بالکل اطمینان ہو گیا کیسے قوت توکل حق تعالیٰ نے عطا فرمائی تھی حضرت ابراہیم علیہ
السلام تھوڑا سا پانی انکے لئے اور کچھ کھجوریں دے گئے پانی ختم ہو گیا اب اسماعیل علیہ
السلام کو پیاس لگ گئے وہاں دو پہاڑ ہے صفا اور مروہ، ان کا بھی نشان باقی ہے تو اس
وقت جنگل میں تھی اب ان کا درمیان بہت بڑا بازار اور اب تو Airconditional
System اور Construction Building ہو گئی ہے حضرت کے زمانے

میں بازار تھا دونوں طرف سے، حضرت کے مسعیٰ علیحدہ بلڈین ہے اور مبنٰی طواف علیحدہ ہے اور مسجد حرام علیحدہ ہے اور سارے عالیشان بلڈین ہے حضرت ہاجرہ پریشانی پانی کی تلاش کے واسطے ایک پہاڑ پر چڑھی تاکہ دیکھی کہیں پانی تونہیں، اِدھر ادھر نظر دورائی کہیں پانی نظر نہ پڑا وہاں اتری دوسری پہاڑی کی طرف جانے لگی حضرت اسماعیل علیہ السلام کو برابر دیکھتی جاتی تھی دو پہاڑوں کے درمیان میں ایک نشیب تھا، گھاٹی تھی یا پانی کا نالہ تھا جہاں پہونچی حضرت اسماعیل علیہ السلام نظروں سے غائب ہو جائے یہاں آجکل ہے گرین بسر بنے ہوئے ہے گرین لائٹ (green light) لگے ہوئے ہے یہ وہی پہاڑ نالہ تھا اس کو دور کر قطع کیا تاکہ جلدی پھر وہ پیش نظر ہو جائے بچے پر نظر پڑتے رہے وہاں سے نکل کر دوسری پہاڑ پر چڑھا کہ نظریں دورائی لیکن کہیں پانی نہ ملا وہاں سے اتری تو پھر صبر نہ آئے اسی طرح پھر پہلی پہاڑی پر پہنچی اب شاید پرندہ نظر آجائے تو سات مرتبہ ادھر ادھر سے آئی گئی اس مضطرانہ حرکت پر حق تعالیٰ کے رحمت متوجہ ہوئے جبرئیل علیہ السلام کو حکم ہوئے جاکر حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لئے اپنے بازوں سے پانی زمین سے نکالو جبرئیل علیہ السلام آیا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیاس سے بے تاب ہوکر رورہے تھے ایری ماری وہاں سے پانی کی سرچشمہ کو ابلہ جس کا نام زمزم ہے، اسی کو جاری رکھینگی۔

وَاخر دعوانا عن الحمد للہ رب العالمین

اللّٰھمّ صلّ علی محمدٍ عبدک ورسولک وصلِّ علی المؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات

زمزم کے چشمے

زمزم کے چشمے کی کل ہوئی تھی عبادات کی حقائق حضرت بیان فرمارہے ہے کہ عبادات میں جو مشترک چیز ہے وہ تذلل اور افتکار ہے اپنے عاجزی اللہ کے سامنے ظاہر کرنا ہے، حضرت خواجہ سرسبز علاقے سے آئی تھی حضرت ابرہیم علیہ السلام سے حکم ہوا کہ اپنے بچوں کو کعبہ کے پاس چھوڑ کے آؤ، انہوں نے اپنے اس کی تعمیر کرتے ہوئے وہاں پہونچایا، حضرت فرمارہے تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام تو نبی تھے وحی ہوئی ان کا تو اپنا مقام ہے لیکن اس کم عمری میں جو ہاجرہؓ کے جو مقام ہے نہ انکو وحی ہوئی ہے صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ ان سے پوچھا کہ ہمیں کیوں چھوڑ رہے ہے اللہ کا حکم ہے کہ کہتی ہے کہ اِذً لَایُضِیعُنَا پھر ہمیں وہ ضائع نہیں فرمائیں گے اس سے جب پانی جو تھوڑا مشکیزے میں ختم ہوا اس پر پریشانی کی حال میں وہ جو صفا یہ چڑھی پھر مروہ پہ چڑھی پھر گھاٹی میں دوری جو میلین اخضرین ہر ایک لین تو علاقے ہیں آج کے سفر میں اس مضطرانہ بانہ حرکت پہ جو اضطراء و پریشانی میں اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہوئی حضرت جبرئیل علیہ السلام نے پر مارا اور وہ پانی کے چشمے ابلہ جس کا نام زمزم ہے یہ تو قصہ ہے باقی میرا مقصود اس سے یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو اپنے مقبول بندوں کی بعض فعل پسند آجاتے ہے وہ تیرے عبادت کے نہ ہو یونہی علی سبیل العادت ہی ہو کہ پانی ڈھونڈھنے کے لئے صفا پہ چڑھی یہی طریقہ ہے کہ ادھر سے دیکھے تو پرندہ آرہا ہے پتہ چلے گی اس طرف پانی

ہے یہ پرندوں کی اڑنے کی آثار معلوم کریں دیکھو تمہارے اولاد ہو اور وہ اتنی پسند آئی وہ دورنا جو صفا کی درمیان کہ اس ادا کو اللہ پاک نے حج کیلئے واجب بنادی کہ حج کی واجبات میں تھے جو نہ دورے تو پھر اسکو دم دینا پڑتا ہے دیکھو تمہارے اولاد ہو یہ مقبول بندوں کی مثال حضرت اولاد سے دے رہے ہے کہ وہ جن سے محبت ہوتی ہے اس سے محبت ہو یا کوئی محبوب ہو تو اسکے کمالات تو پسند آتے ہی ہیں اس کے جو معصومانہ حرکتیں ہوتی ہیں وہ تو پسند آتی ہے اس کی معمولی حرکات بھی پسند آتی ہے حتیٰ کہ تھوکر کھا کر گرنا بھی پسند آتا ہے جب یہ حالت ہوتی ہے۔

زفر کتابت قدم ہر کجا کہ مانے گرم

کرشمہ دامنِ دل میں کشد کہ جا ایں جا است

دوسروں کو لیکر پاؤں تک جہاں نظر پڑتے ہے کرشمے دل کا دامن کھینچتا ہے بچے کا معصوم اس کو دیکھ کے دل پر وقت کھینچتا اور یہی جگہ سب سے زیادہ حسین یہاں تک کہ اس کا پیشاب وغیرہ بھی ہے وہ بھی پسند آتا ہے بچے کی مثلاً بچے کو قبض ہو گیا امساک یا قبض جو بھی ہو، اب تو بے چین ہوا حکیم سے رجوع کیا انہوں نے دوا دی، ماں نے اسی روز عمدہ جوڑا بدلا ہے اور نہلایا اور اس بچے کو گود میں لیا ہوا ہے اسی سے پانجانہ کر دیا کیونکہ سیپوزیتی وغیرہ یا جو بھی ہے اس سے اچانک وہ حاجت ہوتی ہے اور بچہ بتانے کو بھی نہیں ہوتا قادر اور کنٹرول کرنے پر بھی قادر نہیں ہوتا، ہوتا ہے عام طور پر بلکہ تو ہاں ذرّہ بھی نہ ہوگی بلکہ شکر کرے گی کہ اللہ کے شکر ہے کہ میرے بچے کی صحت ہوئی کہ اور کپڑوں کی کیا پرواہ ہے اللہ تعالیٰ اور دینگے، جب کہ ماں کی یہ کیفیت ہے تو اللہ

تعالیٰ کو تو ماں سے بھی زیادہ محبت ہے اپنی مخلوق سے اگر اس کو بھی اپنی مقبول بندوں کے عادی حرکات پسند ہوں بشرطیکہ معصیت نہ ہو تو کیا عجب ہے کیا تعجب ہے؟ چنانچہ حضرت ہاجرہؓ کے یہ بے تابانہ مستر بانہ پریشانی کی حالت میں پانی کی تلاش میں دوڑنا ایسا پسند آیا قیامت تک کیلئے اسکو حج میں داخل فرمایا رب وہ گڑھا تو نہیں رہا مگر نشان کیلئے اسکی مبتداء اور منتہاء پر دو پتھر لگے ہیں اب تو وہ گریں لائٹ (green light) ہوتے ہے حضرت کے زمانے میں چکے ہے مثلاً با قاعدہ تعمیر نہیں ہوتی تھی کھلا میدان تھا۔ اور وہ وادی تھی یا گانٹی تھی یا چھنر تھا اور وہ بڑھگئی تھی تو اس وقت کے انتظامیہ جو ترکوں کی تھی انہوں نے وہاں پتھر کے نشان بنادیتے تھے یہاں سے جو ہرولا شروع ہوتا ہے اور دوڑنا شروع ہوتا ہے اب تو باقاعدہ پورے حصے میں گریں لائٹ (green light) ہے اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ڈیپر شیں ہی ہے ضمناً بات آگئی ہمارے یہ وادیٔ ابراہیم خلیل اسی کو کہتے ہے ''رَبِّ اِنِّیۡ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِکَ الۡمُحَرَّمِ ''تو یہ وہ وادی ہے جس کو وادیٔ ابراہیم خلیل کہتے ہے کہ یہ چھنر تھا پانی کا بارش پانی اکٹھا ہو کے یہ حطیم کے پاس سے گذرتا میلین اخضرین کے پاس سے اس کی کنارے تھے یہ تو موجودہ شارعِ ابراہیم خلیل ہے پہاڑ کے ساتھ ساتھ آگئے ریٹ سی میں جا کے گرتا تھا نشیب کے پاس جو حضور ﷺ کے زمانے میں بندرگاہ تھی تو جدید تعمیرات جو شروع ہوتی اس کو میں کہتا رہا کہ ہوئی اور بارشوں میں بھی زیادتی آتی تو بعض ہمارے ٹونپلانہ یا دوست ناسمجھ دوست جن کو فن سے زیادہ نہیں تھا خاص طور پر ہمارے مصر کے دوست، انہوں نے ان بیلس میں پلاتیں کردے، پلانین کردے

وہاں گھر آباد کردیا اور اس کو کوئی نہیں دیا بدل نہیں دیا تو وہ اکثر ہمارے نیچے کا حصہ مسفلی جس کو کہتے ہے ڈونسٹھٹ ، معلی اپسٹھٹ ، اپسٹھٹ سے ڈونسٹھٹ کا پانی پریشہ آتا تھا تو کاکی وغیرہ اکثر ٹوٹ جاتے تھے بارش میں، تو ہمارے ولی محمد تھے نوراللہ مرقدہٗ اللہ تعالیٰ اس کو جنت الفردوس دے جو یوانومی انجنیڑ تھے ہیدولیجی میں بہت کمال تھا ان کو اللہ کی توفیق ہم لوگ اس وقت سے کام کررہے تھے مالک فہد کے اسٹنشن میں وہ خدائی کے دوران میرے پاس آئی کہ ہم اسٹنشن کی ویف دیکھنا چاہتا ہوں کہ کتنی ہے اور وہی میلین اخضرین کے حساب سے اتری ہوتی بنی تھی تاکہ اس کے حساب سے ہم پھر اکٹر سے جیش کرے تاکہ اکٹر پر پھر آگئے اس پانی کو نکالے یہ بعد میں ہوا بہر کیف یہ حضرت اسی کی بتا رہے ہے تو صفا مروہ کے اس عاشقانہ محبوبانہ حضرت ہاجرہ کی جو ایک عادت کے طور پر کسی پانی کے تلاش والے کو کتنے محبوبی ہوئی حج کی محبوبانہ حصہ بنایا کوئی پوچھے کہ اس میں کیا بات ہے جو ملحد ہے یہ کہتے ہے مجنونانہ حرکت ہے لیکن ہم یہ ان کے کہنا ناگوار نہیں ہم تو اس لقب کو قبول کر کے یہ شعر پڑھتے ہے :

ما گر تلاش کر دیون ایم مست آساقی و آن مستانے ایم

ہم اگر مفلس دیوانیں ہیں تو اس کی ذمہ داری ساقی اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس پیمانے پر ہے کہ جس نے ہم کو مست کر دیا، یاد رکھو حق تعالیٰ کی اطاعت ان مجنونانہ حرکات ہی سے معلوم ہوتی ہے جس کی وجہ سے معلوم ہوگئی، اسی کو جاری رکھیں گے

وَاخر دعوانا عن الحمد للہ رب العالمین

اللّھمّ صلّ علی محمدٍ عبدک ورسولک وصلِّ علی المؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات

مجنونانہ حرکتیں جو عاشق کرتے ہے

یہ قصہ چل رہا ہے حضرت ہاجرہ علیہا السلام کا کہ جو پانی کی تلاش میں صفا پر چڑھی پھر میلین اخضرین گریں لائٹ (green light) کا حصہ ہے جو اس وقت کا وادی تھی کہ وہ دوری پھر سروہ پر چڑھی سات چکر لگ گئی ،مگر نشان کیلئے جو ہے کوئی پوچھے کہ اس میں کیا بات ہے جو ملحد ہے جو دین کو نہیں سمجھتے مجنونانہ حرکتوں میں کیا بات ہے کہ دوڑنا اور یہ کہتے ہے کہ مجنونانہ حرکت ہیں لیکن ہم کو یہ کہنا گوارنہیں ہم کو اس لقب کو قبول کر کے یہ شعر پڑھتے ہے ''مگر تلاش کر دیوان اہم مست آ ساقی وآن ممتاے ایم'' ہم اگر مفلس اور دیوانیں ہے اس کی مجبوری اس ساقی اور پیمانے پر ہے جس نے ہم کو مست کردیا، یادرکھو حق تعالیٰ کی اطاعت ان مجنونانہ حرکت ہی سے معلوم ہوتی ہے جس کی وجہ معلوم ہوگی اس کو کرنا تو کوئی کمال نہیں ''زبان کردن بے قرار تو تگفتن علّت از کارتو'' تیرے ذکر سے ہم زبان تازہ کرتے ہے اور تیرے کاموں میں چون چڑا نہیں کرتے اور بندگی تو حقیقت میں یہ حالت اور زندہ کو نہیں عطاء تو ور با کشیف فداء تو دل شدم مبتلاء تو ہر چہ رضاء تو'' یہ محبت والوں کے کمالات ہے جو محبت ہو جاتی ہے تو رات بھر جاگنا بچوں کیلئے آسان ہوتا ہے اگر تو زندہ کردے تو تیری عطا ہے اگر تو مار ڈالے تو ہم تجھ پر قربان ہے دل تیرا مبتلا ہو چکا ہے اب جو تیری مرضی ہے وہ کر۔اعتراض ختم ہو جاتا ہے اہل اللہ ہوتے ہیں انکے دلوں میں اور بعد ان کے اتباع اختیار کرو اب تو تیرے مرضی

ہے کروانکے اتباع اختیار کرو۔ ''فہم وخاطر تیز کردن نیز راہ'' چالا کی جو ہے یہ اس رال میں نہیں ہم اس میں اپنے ارادے اور اختیار کو فنا کرنیکی ضرورت ہے: '' جز شکستہ می نگیر د فضل شاہ''،پستی و شیستی حاجت ہے'' ہر کجا پستی است آب آنجا رود''

جہاں بھی ڈونسٹھٹ نیچے حصہ ہوتے ہے پستی ہوتی ہے پانی ادھر چلتا ہے ادھر ہی کو جاتا ہے جہاں کا بھی مشکل آتی ہے تو حل وہاں آتی ہے اب تو یہ حال ہے کہ جو بزرگ سمجھے جاتے ہے جو شکستی ان میں بھی نہیں ہے اب تو حال یہی ہے کہ بزرگوں جو شکستی بے چارکی درمان کی جو مولانا روم صاحب اور ہمارے اکابرین اصلاح میں تھی موجودہ لوگوں میں تو الوہیت آ گئی ہے اپنے آپ کو عالم اور بزرگ سمجھ کے بیٹھے ہوتے ہیں حالانکہ ہم نے اپنے داداؒ سے کئی دفعہ سنا تھا فرماتے تھے کہ اپنے کو کتنے سے بھی کمتر سمجھو کہ ان کی حساب نہیں ہمارا حساب ہے احتساب کتنا مشکل ہوتا ہے کسی کے سامنے حساب دینا ایک صاحب کے حکایت یاد آتی کہ جو ظاہر میں بزرگ اور نیک سب کچھ تھے ایک بار وہ جمعہ کے روز آئے وعظ میں شریک ہوئے مکانوں کی اتنی نزدیک تھا کہ بعض وعظ کے جائے تو شام تک پہونچ جاتے ہے چنانچہ اکثر لوگ وعظ سن کر چلے بھی جاتے تھے،ان کے ایک عزیز نے اس احتمال سے ان پوچھلیا اگر شام کو یہاں قیام ہو میں کھانا کی انتظام کروں،پس بزرگ صاحب کہا تھے پس خفا ہو گیا کہا کی یہ بھی کوئی تہذیب ہے کیا ہم سے پوچھتے ہے کھانے کی انتظام کیا جائے یا نہیں تم کو کھانا تیار کرنا چاہئے تھا پھر چاہے ٹھہرے یا نہ ٹھہرے آجکل تو یہ اس طرح کی بزرگ آگے ہے کہ وہ سارے اصول پس پشت ڈالدیا اعزاز اکرام اور ان کی چیزوں کی پرے میں خدا کی پناہ،استکبرہ

اکی بھی کوئی انتہاء ہے کہ آپ سے بلا پوچھے ہی کھانا تیار کیا جائے پھر اگر بعد میں آپ نے کہدی مین جاتے ہے تو اس غریب کا سارا پکا پکایا کھانا برباد ہو جائیگا ، غرض سب طراری رہی ہے چھوڑ دو یہ حج کی سفر کی چونکہ باتیں ہیں تو اپنے وطن میں حضرت فرمارہے کہ سب بڑا ہی ہے سب اپنے شیخین اور اپنا رئیس ہونا ، مالدار ہونا اور برادری یہ سب طراری ہے یہی چھوڑ دو حج میں تو سب اپنے کمال گم کر دینا چاہیئے مجھے اور ایک شعر یاد آ گیا۔

''زیر آسمان از عرش نازک تر ہوش میں گم کرآید جنید و بایزید ایں جا''

جنید بغدادی جیسے باکمال حضرات اور بایزید بستامیؒ جیسے صاحب کرامت حضرات وہ جب آتے تھے تو وہ بھی اپنے ہوش وحواس گم کر کے آتے تھے سب چیزوں کو چھوڑ کے اور مٹا کے یہاں حرمین آتے تھے ،عورتوں پر اور بھی تعجب ہے یہ مردوں سے بھی زیادہ حج کی ارادہ کر کے اپنے کو بڑے سمجھنے لگتی ہے بلکہ آجکل عموماً ویسے بھی عورتوں نے بڑائی کا مادہ زیادہ ہو تو جارہا ہے بعض دفعہ یہ مردوں سے خوشامد کراتی ہیں۔ اور انکو شرم اور غیرت بھی نہیں آتی کہ رات دن جان کھپا کر انکے واسطے کما کر لاتے ہیں کیا مرد وں کے عنایت کا یہی نتیجہ ہے کہ مردوں کے سر چڑھے ، میں سچ کہتا ہوں اگر عورتیں ذرہ صبر وتحمل سے کام لیا کریں ، ان کو مردوں سے بھی زیادہ ثواب ملے گا کیونکہ ضعیف اور کمزور ہے ضعفاء کا تھوڑا سا عمل بھی کئی آدمی سے بہت سے اعمال سے بعض دفعہ بڑھ جاتے ہیں مگر عورتوں میں جس قدر ضعف ہے یہ اس قدر مردوں پر شیر ہوتے ہے یہ مردوں کا تحمل ہے کہ ان کو سر چڑھا لیتے ہے ورنہ اس کے سامنے تو عورتوں کی حقیقت ہی

کیا ہے اگر مرد کو غصہ آ جائے تو ایک دن میں ان کو درست کر سکتا ہے چنانچہ سخت مزاج لوگ ایسے بھی کر لیتے، بزرگوں نے نقل کی ہے کہ **یغلبن العاقل ویغلبهن الجاهل** کہ عاقل مرد پر تو یہ لوگ غالب ہو جاتی ہے مگر جاہل مردان پر غالب ہوتا ہے اس کا راز یہ ہے کہ عاقل تحمل سے کام لیتے ہے اور جاہل تحمل سے نہیں لیتا اس لئے جاہلوں سے یہ خوب درست ہو جاتی ہے بہر حال عورتوں کو تکبر کرنا بہت نازیبا ہے ان کو حج میں تعارض سے کام لینا نہ چاہیئے جو حج کی سفر میں آتی ہے ہماری خواتین یہ ان کیلئے بھی آداب بتا رہے ہیں، میں یہ کہہ رہا تھا کہ حج میں قبل الحج ہی اپنے ملکات رذیلہ کو نکالو، اور نفس کی اصلاح کرو، اب یہ سوال باقی رہا کہ اب تو حج کو جا رہے ہیں اب قبل الحج ہی مثل کیسے ہو تو میرے یہ مطلب نہیں کہ آپ قبل الحج کامل بن جاتے کیونکہ کمال ایک دن ایک ہفتے میں حاصل ہونا عادتاً دشوار ہے۔

صوفی نہ شود صافی تا درنکشد جامی بسیار سفر باید تا پختہ شود خامی

صوفی جو بزرگان دین اپنے رذائل اصلاح کرتے رہتے ہیں یہ ایک دن میں صافی نہیں ہوتے بسیار سفر یہ لمبا سفر ہوتا ہے اپنے رذائل کو مٹاتے میرا مقصود یہ کہ اس وقت سے اس کی فکر میں تو لگ جاتے وہ بھی اصل ہیں مثل صلاح ہی کیلئے ہے جیسے قرآن میں حکم نازل ہوا ''اِتّقُوا اللهَ حَقَّ تُقَاتِهِ'' خدا سے ایسے ڈرو جیسے اس سے ڈرنے کا حق ہے صحابہ یہ گھبرا گیا کیون گئے میرا ذوق یہ کہتے ہے کہ اس وجہ سے گھبرا گیا صیغۂ امر اصل میں موضوع ہے وجوب کے لئے اگر مطلق امر کے واسطے سے فوری ضروری نہیں ہے مگر فوراً متبادر ضرور ہے ہاں اگر فعل یقینی طور پر تدریجاً ہو تو وہاں فوراً متبادر نہیں ہوتا اور

نہ عموماً امر سے متبادر یہی ہوتا ہے کہ یہ کام اب ہی فوراً کیا جائے پس اتقوا اللہ حق تقاتہ سے صحابہ یہ سمجھے کہ اس وقت کامل تقوے کا اختیار کرنا ہے کامل تقوٰی والے بھی مختلف ہے بعض تو ایسے ہے کہ دوستی کا محض دم بڑھتے ہے نفلیں بہت پڑھ لیں قرآن پڑھ لینگے لیکن ان سے ایک پیسہ خرچ نہیں ہوسکتا ہے جن لوگوں کو محبت ہے انکو اس سے حیرت ہوتی ہے انکی کیفیت تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے مقابلے میں کسی شی کی بھی وقعت نہیں ہے۔

وَاخر دعوانا عن الحمد للہ رب العالمین

اللّٰھمّ صلّ علی محمدٍ عبدک ورسولک وصلِّ علی المؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات

محبت

اللہ پاک سے جن کو محبت ہے ان کے حالت مختلف ہوتے ہیں، ہم لوگوں کو مال سے محبت ہے اس میں ہمارے حالتیں مختلف ہے، ان ہی کی مثالیں دے رہیں ہیں بعض تو ایسے ہے کہ دوستی کا محض ہم دم بڑھتے ہے نفل بہت پڑھ لینگے لیکن ان سے ایک پیسہ بھی خرچ نہیں ہوسکتا مال کی محبت کی وجہ سے نفل پڑھنا قرآن پڑھنا یہ آسان ہوگا جن لوگوں کو محبت ہے ان کو اس سے حیرت ہوتی ہے جو حقیقی اللہ کے محبّ ہے وہ ان کے حالت دیکھیں ان پہ حیرت کرتے ہے ان کی کیفیت تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے مقابلے ان کو کسی شی کی بھی وقعت نہیں ہے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی عطا کو تو نعمت تو سمجھتے ہے اسکی شکر بھی کرتے ہے لیکن جو دل ہے وہ اسکی محبت سے سرشار ہوتا ہے اللہ سے اس لئے ان کو کسی شی کی بھی وقعت نہیں ہے۔ طلحہؓ ایک صحابی ہے ان کے پاس ایک باغ تھا نہایت سبز و شاداب تھا اور ایسا گنجان تھا کہ ایک روز ایک پرندے نے ہر چند چاہا کہ نکل جاؤ مگر جدھر جاتا تھا کہ شاخین حائل ہوتی تھی اب طلحہؓ نے نماز پڑھ رہی تھی کہ یہ قصہ دیکھ کر خیال آئے کہ اب تو میرا باغ خوب پرورش پایا گیا ہے اور باغ لگانے میں کتنے عمریں لگتی ہے میں سلیمان کو کہہ رہا تھا ان کے دادر حمہ اللہ کہا کرتا تھا کہ پکے میوے امد کھائے نصیب ہوا، پودا کوئی لگاتا ہے باغوں پرورش کون کرتا ہے پھر اس کے پھل کوئی نصیب ہوا لکھاتے ہے تو بڑا ایک لمبی مدّت کے وہ ہوتے منصوبی ہوتے تب جا کے کھیئے پروان

چڑھتے ہے اور ایسے گنجان کہ ان میں سے پرندہ نے نکلنا چاہا جدھر جاتے شاخین حائل ہوتے تھے ابوطلحہ نماز پڑھ رہے یہ قصہ دیکھکر خیال آ گیا اب تو میرا باغ خوب پرورش پایا گیا اس خیال سے خوش ہوئے سلامان پھیرنا کے بعد فوراً یہ خیال آیا اللہ اکبر اس باغ کی وجہ سے میں تھوڑی دیر حق تعالیٰ کی یاد سے غافل رہا فوراً حضور اقدس ﷺ کے خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ باغ تو میری فتنہ ہو گیا ہے میں اس کو رکھنا نہیں چاہتا ہو اللہ کے واسطے پیش کرتا ہوں آپ کو اختیار ہے آپ جہاں چاہے صرف فرمادے پس اسکو اس امری قلب ہو کہ میرے دل حق تعالیٰ سے دوسری طرف کیوں ہوا اس کو غیرت کہتے ہے۔

بہر چہ از دوست دامانی چہ کفران حرف و چہ ایمان

بہر چہ از یار دورافتی جہ زش آن نقش چہ زیبان

دوست کی دامان سے جو کچھ ملتے ہے اس میں یہ کہنے کی گنجائش نہیں ہے کہ یہ کفر ہے اور یہ ایمان ہے اس طرح کی یاز کی نقش قدم سے تو کتنا ہی دور پڑا ہوا ہے تیرے لئے مناسب نہیں کہ یہ نقش برا ہے یا اچھا ہے مولانا رومی کے مثنوی میں ہے اور ایک قصّہ ایسا ہے لیجئے حدیث شریف میں آیا ہے حضور ﷺ کہیں تشریف لے جارہے تھے ایک مکان کو بادار دیکھا بڑا دیکورتڈ اور خوبصورت آتا ہے اس کی حساب سے جدید کہیں یہ کس کا مکان ہے کسی نے عرض کیا کہ فلان انصاری کا مکان ہے۔

جب وہ انصاری آئے تو انہوں نے سلام دیا تو حضور ﷺ کو سلام کی جواب نہیں دیا انہوں نے دوسری طرف جا کر سلام کیا حضور ﷺ نے منھ پھیر لیا انہوں نے

ایسا منظر کیوں دیکھا تھا دیکھکر روح ہی کوتو قبض ہوگئی جب کبھی اتنی بے توجہی حضور ﷺ سے کبھی دیکھی نہیں کہ صحابی کی جیسی جان ہی نکل گئی اب آہستہ آہستہ ہر ایک سے پوچھتے ہے پھرتے ہے کہ کیا بات ہے کسی نے کہا کہ اور ہم کو کچھ نہیں معلوم صرف اتنی بات ہوئی حضور ﷺ تمہارے گھر کی طرف تشریف جارہے تھے اور پوچھا تھا کہ یہ مکان کس کا ہے بس اس سے زیادہ کوئی بات نہیں ہے، ابھی پورہ یقین اس کا نہیں ہے کہ مبدأنا خوشی کا یہ مکان ہے محض شبہ ہی ہوا کہ شاید یہی مکان ہی سبب ناراضی کا ہو محض اس شبہے پر جاکر اس مکان کو خدا جانے کتنے لاگھت کا تیار کیا ہوگا جڑ سے کھوڑوا کر پھینک دیا۔ کہ میں آگ لگاؤ گا اس مکان کو جو اللہ اور اللہ کے رسول کا ناراض گی کا سبب ہو۔ خیر۔ شبہ پر تو مکان کو اکھاڑ دیا، یہ تو ہوا ہی تھا۔ اس سے بڑھ کر دیجئے کہ آ کر حضور ﷺ سے اطلاع نہیں کی، جتلایا نہیں کی کہ میں نے ایسا کیا اس لئے کہ آپ پر کیا احسان تھا اتفاق سے جب آپ ﷺ کسی اور دن اس طرف تشریف لے گئے وہ مکان نہ دیکھا تو پوچھا کہ وہ مکان کیا ہوا صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ شبہ ہوا حضور ﷺ ناراض ہے اس لئے اس کو منہدم کر دیا آپ نے فرمایا کہ ہاں جو تعمیر ضرورت سے زیادہ ہو وہ وبال ہی ہے۔

حاصل یہ ہے کہ مال کا خرچ کرنا بڑی علامت محبت ہے اسی میں تھوڑی سی میں ذرہ تشریح کردوں کہ یہ واقعات صحابہ کے جناب رسول ﷺ کے احادیث کی کتب میں اور سیر میں اور سیرتوں میں اور صحابہ کے یہ منقول ہے یہ احادیث تو ہے کہ اس کے اوپر ہمارا بہت موضوع بیان بھی ہوتے رہتے ہیں حدیث اور سنت میں فرق ہے شریعت

نے ہر وقت کی اور ہر زمانے کی جو اپنے ضروریات زمان سے واقف نہ ہو وہ پھر دین کی فتوے نہ دے ضروریات کی حدود بدلتے رہتے ہیں اسی لئے تعمیرات اکا نداز بھی بدلتا رہتا رہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زمانے میں جو تعمیرات اس وقت کی ضرورت اسی حساب سے تھی اس وقت بڑروم (bed room) نہیں ہوتے تھے لوگ حاجت کیلئے باہر کھیتوں کو چلے جاتے ہے جنہوں کو چلے جاتے ہے تو آرئش کا ہونا تو فرض واجب ہے کہ مکان اور اس سے رہائش سر چھپانے کی اور اس میں آسائش ہو باٹھروں کی کیچڑ ہے مہمانوں کی جگے آسائش کا سنت میں خیال رکھا ہے اور زیبائش کا بھی لحاظ رکھے۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللهِ الَّتِيْ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ

(سورہ اعراف ۔ ۳۲)

یہ تو اللہ پاک کے زیب وزینت اور چیزیں سارے معاملوں کیلئے بناتی ہے اور انکی برکت سے دوسری لوگ کھا رہے ہیں اور آخرت خالص معاملوں کے لئے ہوگی تو زیبائش کا بھی وہ لحاظ رکھا شریعت نے روائش ہو اس میں آسائش ہو یہ سنت ہے زیبائش ہو لیکن نمائش منع ہے کہ وہ دکھاوے کیلئے نہ ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس زمانے میں فرمایا کہ جو تعمیرات ضرورت سے زیادہ ہو وہ وبال ہے ضرورت زمان جو ہے وہ تو سنت اسکی ترغیب دیتی ہے اس کی جاری رکھینگی۔

وَاخر دعوانا عن الحمد للہ رب العالمین

اللّهمّ صلّ علی محمدٍ عبدک ورسولک وصلِّ علی المؤمنین

والمؤمنات والمسلمین والمسلمات

اللہ کے راستے میں خرچ کرنا (انفاق)

حاصل یہ ہے کہ مال کا خرچ کرنا بڑی علامت محبت کی ہے، جواللہ سے محبت ہوتے ہے وہ خرچ کرتے ہیں، پس قربانی کوایک تواس حیثیت سے فضیلت ہوئی کہ اس کی حقیقت جنسی انفاق مال سے ہے، کہ اللہ کے راستے میں خرچ کرنے سے ہی اس کا ایک حصہ ہے، اب دیکھنے کے بعد یہ ہے کہ انفاق مال کا کونسا فرد پسندیدہ ہے، کونسی چیزاور کونسا حصہ اللہ کو پسند ہے،اس کی نسبت سے ارشاد "لن تنالو البرّ حتی تنفقوا مما تحبون" یعنی تم نیکی کو ہرگز نہ پہنچو گے۔ یہانتک کہ اس حیثیت سے خرچ کرو جس کوتم چاہتے ہو، محبوب چیزیں اللہ کے راستے میں خرچ کی جائے، اب تو یہ حالت ہے کہ چھان چھان کرنکمّی چیزیں اللہ کے نام پرخرچ کی جاتی ہے، کھانا جب سڑ جائیگا اور باورجی یاماما آکر کہیگی کس وجہ سے بوآنے لگے تو کہے گی ، اللہ کے واسطے دیدو، کپڑا پھٹا ہوا ہو جوکسی قابل نہ ہوتو کہینگے دیدو کسی طالب علم کواللہ کے واسطے،غرض اللہ واسطے وہ شئ تجویز کرتے ہے جو بالکل سریل اور پریشن نکمّی ہو انّالله و انّاالیه راجعون۔

یادرکھو جیسی شئ تم دیتے ہو ایسی ہی وہاں تم کو ملیگی چنانچہ ایک وقت حضور ﷺ مسجد میں تشریف لائے کہ خوشہ دیکھکر کھجور کے جس میں گلی بھی کھجوراتھی حضور ﷺ نے فرمایا یادرکھو وہاں ایسے ہی ملے گا، کسی شخص نے واعظ پہ ایک انگوٹھی دی تھی اس پر نگینہ نہ تھا پتھر جولگاتے تو وہ کہیں گر گیا ہوگا اور، اس شخص نے دعادی کہ اللہ اس کو جنت

میں ایسا گھر دیجئے جس پر چھت نہ ہو، ہاں اگر کسی کے پاس عمدہ چیز ہی نہ ہوتو وہ دوسری بات ہے، اس کی وہی عمدہ ہے جو اس کے پاس موجود ہے۔

خلاصہ یہ کہ اللہ کے واسطے پیاری چیز دینا چاہیئے جو دل کو بھائے اور دینے والے کو بھی پسند آئے، اسی طرح قربانی کے اندر جو جانور خریدا جائے اس کو خوب دیکھنا چاہیئے کہ تمام عیوب سے سالم ہو، قیمت میں اچھا ہو، اس کی محبوب ہونی کی صورت ہے اب لوگوں کو یہ کیفیت ہے کہ سریل سے سریل جانور قربانی کے لئے خریدتے ہے، کانپور میں ایک شخص تھی انہوں نے ایک مینڈھے کی قربانی کی تھی جس کی کیفیت یہ تھی کہ تمام عیوب اس کے اندر تھے کان کٹا بھی، دم کٹا بھی، دبلا بھی، ایک محلّہ دار نے اس سے کہا اس کی قربانی ناجائز ہے وہ شخص اصرار کرنے لگی کہ واہ! جائز ہے ہر عضو کی چوتھائی سے کم ہے، اس سے کوئی پوچھا کہ کہاں لکھا ہے کہ ہماری بیوی کہتی ہے فوراً گھر پہنچے اور بیوی سے کہا دیکھو تمہارے مسئلے پر فلان شخص اعتراض کرتے ہے، انہوں نے وہی اسی وقت شرح وقایہ مانگایا، مانگا کر اس سے جہاں وہ مسئلہ تھا نشانی رکھکر پھاردے دیا کہ دیکھیئے یہ لکھا، آج کل یہ حالت ہے دین کی بارے میں ہر ایک کو جرئت ہوتی ہے۔ مگر ہم یہ نہیں دیکھا کہ آج کل عموماً اردو میں کتابیں دیکھکر کسی نے طب کی، میاں اپنی بیوی کی علاج معالجہ کیا ہو۔ اردو میں تو وہ کتابیں ملتی ہے بعض ایسے دلیر ہوتے کہ اردو کی کتاب اس سے علاج بھی کرتے ہے مگر غیروں چونکہ مکتبۂ نظامی میں ایک خط آیا وہاں پرتی پرس جو دہلی میں تھے نظامیہ ہے حیدرآباد کے لوگ اس میں لکھا تھا کہ میرے پاس ہر فن کی کتابیں آتی ہے، چنانچہ اردو کا شرح وقایہ اس میں اسی طرح لکھا تھا بھی ہے، اس سے

فتوے لکھتے تو ہوں، تو مگر لوگ کہتے ہے کہ طب کا قبضی جاری کردو جوطب کی کتابیں اوراس کے جو فیض ہے وہ بھی جاری کردواس لئے آپ کوطب احسانی بھی بھیج دیجئے یعنی لوگوں کی اصلاح کی کتابیں کہتے ہے تصوف کی ایسے ہی لوگ ہے لوگوں کی جان و مال اور دین دونوں کو تباہ کرتے ہے۔ایک جاہل طبیب کی نسبت کسی نے کہا ہے کہ وہ ایسے حکیم ہے کہ جس کو ہاتھ لگاتے ہے مرض نہیں رہتا میں نے کہا کہ مرض نہ رہنے کی دوصورتیں ہے یا تو مریض رہے یا مرض نہ رہے یا یہ کہ مریض ہی نہ رہے بالمعنی ثانی یہ صحیح ہے، اگر کوئی کہے کہ تم اردو کی کتابوں کی مذمّت کرتے ہو حالانکہ بڑے بڑے عالموں اردو میں ترجمہ مسائل کا اور دیگر مفید کتابوں کو کیا ہیں۔ بات یہ ہے کہ عالموں اس لئے ترجمہ کردیئے کہ تم آسانی سے کسی اپنے بڑے بزرگ سے سمجھ کر پڑھ لو یا وہ جاکے ان سے سیکھو، اس لئے ترجمہ نہیں کیا کہ خود دیکھکر مفتی ہو جاؤ۔اور علماء ہی پر اعتراض کرنے لگے وجہ اسکی یہ ہے کہ ہر فن اور ہر سند کے لئے استاذ کی ضرورت ہے۔ وہ فن کیسا ہی ہوادنٰی درجے کا ہواسی طرح دین بھی ایک فن ہے جب تک کسی سے سیکھا نہ جائے وہ آتا نہیں۔لیکن عجب بات ہے کہ اور ہر شیٔ کے لئے استاذ کی ضرورت تسلیم کرتے ہے لیکن اگر ضرورت نہیں تو بس دین میں نہیں اس میں ہر شخص مجتہد ہے اب تو یہ مصیبت بہت زیادہ ہوگئی ہے، حضرت کے اپنی کتابوں میں سے ایک واقعہ ہے کہ ایک دن وہ کہیں مسجد میں گیا تو جو امامت کررہے تھے وہ صاحب ہل کے نماز پڑھ رہے تھے کبھی ڈائیں کو ہلے، کبھی بائیں کو ہلے، کبھی آگے پیچھے تو نماز کے بعد ان سے پوچھا کہ نماز میں تو ہلنا منع ہے کیوں ہل کے نماز پڑھ رہے، کہ نہیں حدیث میں آتا ہے، تو وہ اسی طرح اردو کا ترجمہ

والے کوئی کتاب اٹھا کے لے آیا تا کہ حدیث دیکھو اس حدیث میں ہے اس میں تو ترجمہ کرنے والے لکھا تھا کہ جو امامت کراتے ہیں فلیخفف، جو حدیث میں آتا ہے وہ ''ہلکی'' نماز کو ''ہلکی'' پڑھ رہا تھا، اس میں لفظ تو ''ہلکی'' ہے لکھنے میں تو ایک جیسے ہو جاتے ہے کہ وہ خفیف پڑھ رہا ہے، زیادہ نہ ہو کہ فیھا مریض اس میں کوئی مریض کھڑا ہے کوئی مستعجل ہے مسافر ہے حضور ﷺ اس کی رعایت کو بتائی کہ مختصر نماز پڑھائے امامت کرنے والے لمبی لمبی قرأت اس سے۔ آتا کہ بنی اسرائیل میں سب سے پہلا جو بدذلی پیدا ہوتی ہے کہ وہ اماموں کی لمبی لمبی قرأتوں سے ہوتی ہے۔ اب تو دعاؤں کے آگے چیز بڑھ رہی ہے اس میں ہر شخص مجتہد ہے، غرض اردو کا شرح وقایہ اس کی بیگم صاحب بھیج دیا، جس میں شبہ ہو دیکھلو، اس شخص نے کہا ہم اس کو نہیں جانتے، تو جامع مسجد چلو وہاں کسی بزرگ کو وہاں موجود ہے ان سے پوچھینگے، انہوں نے کہا ہم نہیں جائینگے، ہمارے گھر میں خود علامہ موجود ہے غرض وہ لگ گئے، بعض لوگ باوجود استطاعت کے ڈھوند کراتے ہے کہ سستا حصہ ملے وہ اللہ کے راستے میں اس میں اور بات ضمنے میں آگئی ہے پھر اسی پر ختم کرتے، آج کل جو عالمات کا معاملہ چل نکلا ہے اس کی بھی اتنی زیادہ جو صلہ افزائی ہمارے بڑوں میں نہیں تھی اور اس سے بھی یہ چیزیں جو حضرت کی بیان ہے اس کی بو ملتی ہے، اور گھروں میں زیادہ فساد اور طلاق عالمات کی اس جیسے عورت یہ کہ کہتی ہو میں جانتی ہوں میں عالم ہوں تم کیا جانتی ہو تم مرد بیچارے کی وہ گھٹ بنتی ہے۔ ہمارے پاس ہر روز خطوط پیغامات آتا رہتے ہے کہ عالمات کی اور عالم کی اس کی قسم کی، ان عالمات کا بھی ساتھ ساتھ جیسے رجال کی ضرورت ہے بعض

چیزیں مردوں کے لئے عیب ہوتے ہے مثلاً غافل ہونا مرد کے لئے اس کی اصلاح کی جائیگی لیکن عورت کے لئے الغافلات المؤمنات الغافلات اس میں گ حسنہ آیا ہے وہ جتنی بے خبری میں رہے وہ اس کی فطرت کے عین موافق ہوگیا۔ اسی کو جاری رکھیں گی۔

وَاخر دعوانا عن الحمد للّٰہ رب العالمین

اللّٰھمّ صلّ علی محمدٍ عبدک ورسولک وصلِ علی المؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات

اندازِ تشکر

اللہ کے نعمتوں کو شکر کے انداز جو ہے حضرت عمرؓ ہمیں جب سورہ بقرہ ختم کی تو ایک اونٹنی ذبح کی تھی، جس کی قیمت تین سو عشرفیاں سے ملتی تھی اس زمانے کے، وہ عشرفی تقریباً آج کے حساب سے تین ہزار روپیے میں مگر تب بھی نوسو روپیے کی قریب قیمت ہوئی اور اتنی قیمت تو ملتی تھی غالب یہ ہے کہ اس سے زیادہ ہی کی ہوگی گویا جو ایک ہزار روپیے قسم جو حضرت کے زمانے کے ایک سو روپیہ اور آج کے تو ہمارا ڈیرھ لاکھ کی قریب سمجھی اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ان حضرات کی نظر میں قرآن مجید اور اس کی تعلیم، تعظیم کی کس قدر وقعت تھی، ایک آج کل دیکھیئے کہ محلّہ وموقع کا زرہ قدر نہیں، اگر حافظ قرآنؒ صرف کھانا طلب کرے تو کہ یہ بڑا جرم ہے کہتے ہے کہ میاں جی کو تو کھانا ملا کرتا ہے اور کھانے میں بھی بڑا احسان سمجھتے ہیں چونکہ یہ خیراتی ہوتے ہے اس کے کئی انداز رہے ہے، خیرات لیتے شروع شروع میں ہر ایک گھر سے کچھ روٹیاں مقرر کر روٹی تھی تو وہ جمع کر کے دیدیتے اس لئے وہ کھانا ملا کرتا ہے اگر عید اور بقرعید عیدی دیدیتی تو گویا خرید لیا اور اگر ختم قرآن پر چند پیسے دیدیئے تو سارے عمر گاتے پھیرینگے دیکھیئے قدردان یہ لوگ تھے جو سورہ بقرہ کے قرآن کا بارھواں حصہ ہے بلکہ کس قدر کم اس کے ختم کے شکریے میں، انہوں نے ایک اونٹنی ذبح کی جس کی قیمت آپ اب بھی معلوم ہوئی حالانکہ حضرت عمرؓ اغنیاء صحابہ میں سے نہیں تھے ہمیشہ ان کی یہ حالت رہی حتی کہ جب

وفات فرمائی تو قرض تو ذمے پر تھا زندگی میں ادا کرتے رہتے تھے انتقال کے وقت حضرت عبداللہ بن عمرؓ (اپنے بیٹے) کو وصیت فرمائی میرا قرض ادا کردیجئو۔ باوجود اس حالت کے بھی اتنی قیمتی اونٹنی انہوں نے شکرانے کے طور پہ ذبح کی۔ باوجود اس حالت کے بھی کہ واجب نہ تھی محض شکریہ اور خوشی کے واسطے ذبح کی، بہرحال قربانی کیلئے جو جانور خریدا جائے عمدہ ہونا چاہئے۔ یہ تو نفلی عبادات تھی جیسے کہ فرض نماز ہے اس کے ساتھ اللہ پاک نے فرمایا نفل بھی عبادات کا حصہ رکھو، نفل نماز پڑھتے ہے اشراق ہے، چاشت ہے، تہجد ہے، اوابین ہے صلوٰۃ التسبیح ہے یہ سارے نفلی چیزیں ہیں اس طرح مالی عبادات میں زکوٰۃ فرض جو اڑھائی فیصد باقی اس کے علاوہ بھی انفاق کے باتیں جو کہہ رہے ہے جو اللہ کے راستے میں خرچ کیا جائے وہ ہر حال میں کرتے رہے جو صاحب نصاب بھی نہ تھے جیسے حضرت عمر بن خطابؓ کے بارے میں آرہے ہے، قربانی بھی کہ ایک تو واجب ہے جو اضحیہ کہتے ہے جو عید کے موقع پر، ایک ہے نفلی چیزیں جیسے حضرت عمرؓ کی دیکھے، صاحب کالکٹر تم سے یہ فرمائش کرے ڈپٹی کشنر وغیرہ جو ضلعے کی ہوتے تھے کہ ہمارے دودھ پینے کے واسطے عمدہ گائے لاؤ عمدہ سے عمدہ تمام گاؤں سے بھی آس پاس میں بھی خوب دیکھ بھال کرلو گے۔ بڑے غضب کی بات ہے کہ ایک حاکمِ ضلعہ کی جو ظاہری اور مجازی حاکم ہے اس کی حکم کو تو آپ اتنا اہتمام ہو اور احکم الحاکمین اور حاکم حقیقی نے جو تم سے جانور مانگے پھر وہ بھی تمہارے ہی لئے پھر دام بھی خود اسی نے تم کو دیئے اس میں تم کفایت پر نظر کرتے ہو بڑی ناشکری کی بات ہے۔ چاہیئے کہ عمدہ سے عمدہ جانور لو، میرے مطلب یہ ہے نہیں کہ تم سو روپیے کی گائے خرید لو، حضرت کے

زمانے کے سو آج کے ایک لاکھ کے ہے جب کہ وہ تمہارے حیثیت سے زیادہ ہو میرے مقصود یہ ہے کہ اپنے حیثیت اور استطاعت کے موافق عمدہ جانور خرید و اور بہتر ہے کہ کچھ حصہ نفل کے طور پر بھی کیا کرو، کانپور میں ہمارے مکرم عبدالرحمٰن خان صاحب یہاں ساٹھ ساٹھ ستر ستر جانور ذبح ہوتے تھے اپنے تمام بزرگوں رشتداروں کی اس سے کرتے تھے یہ باپ کا ہے یا دادا کا ہے، جناب حضور ﷺ کی طرف سے کرتے تھے حالانکہ ان کی حالت یہ ہے کبھی کبھی ان کے یہاں کھانے کا گڑھا بھی ہو جاتا تھا، محبت بھی عجیب شی ہے وہ سب کچھ قرار دیتی ہے جو لوگ قربانی کے اندر حیلہ کرتے ہے اگر ان کے اپنے بیٹے کی شادی کی پیش آجائے تو ابھی سینکڑوں روپیہ ادھر لین۔ سود لے لیتے ہیں اور مانتے پھرتے ہے ہیز کی چکروں میں۔

خلاصہ یہ کہ انفاق کے مال جو اس کی حقیقت ہے، اس کے اعتبار سے بھی قربانی کی فضیلت ہوگی کہ اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کی جو ہے وہ بھی اعلی سے اعلی خرچ کیا جائے، اب حقیقت نوعیہ یعنی اراقة الدم للہ کے اعتبار سے لیجائے کہ اللہ کے لئے قربانی خون، ذبح کرنا تاکہ خون بہائے ہیں اراقة الدم للہ کے معنی خدا کے نام پر جان کے قربان کرنا، تعجب ہوگا کہ میں اس کا بناء فضیلت قرار دیتا ہوں اور مخالفین کو بناء اعتراض قرار دیتے ہیں، ان کا بناء اعتراض قرار دینا بھی دلیل اس کی حقانیت کی ہے کہ اس لئے بیوقوف جس بات پر اعتراض کرے وہ عین حق ہوتا ہے اگر کوئی کہے کہ یہ تو بیوقوف نہیں بلکہ فلاصر مہذب قوم لیدی سم سمجھی جاتی ہے۔ بات یہ ہے کہ اس سے زیادہ بیوقوفی نہیں اپنے مالک کو بندہ بھول جائے جس کو اتنی اس کو فکر نہ ہو میرا مالک کس بات

سے خوش ہوگا کونسی بات سے ناخوش وہ خواہ عاقل میں ارسطو رہو وہ بیوقوفی ہے یہ بات دوسری ہے کہ کسی امر میں اسکو تجربہ ہوجائے اس کو نقل نہ کہے گے مثلاً کپڑا بنا آگیا یا زخموں کی کاٹ تلاش پیدا ہوگیا سرجن وغیرہ اس سے کھل نہیں ہوسکتا عقل اور شی ہے تجربہ دوسری شی ہے سندوں کے اندر کمال پیدا کرنے والے تجربہ کار کہینگے مگر عاقل ہونا اس کا ضروری نہیں خدا تعالیٰ سے جو شخص جس قدر دور ہے اس قدر اسکی عقل بھی منسوخ ہے پس ویسے شخص جس شی کو دبادہ برا سمجھے گا وہ ہی شی اچھی ہوگی آج کل بڑا عقل وہ سمجھے جاتے کہ بڑا لسان ہو اور ہر دعوے پر بذات خود دلیل عقلی رکھتا ہو۔ لمبی لمبی لسان ہو بہت باتوں ہی ہو کہ وہ دلیل آ کے محض لچر اور غیر مقبول ہو۔ اسی پر جاری رکھینگے۔

وَاخر دعوانا عن الحمد للّٰہ رب العالمین

اللّھمّ صلّ علی محمدٍ عبدک ورسولک وصلِّ علی المؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات

آج کے عاقل

آج کل کے عقلمندوں کی وہ عقلمند سمجھے جاتے کہ جو بڑا اطول اللسان ہو (طویل لسان والا ہو) جس کی بڑی زبان ہو لمبی باتیں کرتا ہو باتوں میں اور ہر دعوے پر بذات خود دلیل رکھتا ہو وہ دلیل واقعی محض لچر اور غیر مقبول ہو اس عقل اور بے عقل پر مجھ کو دو حکایتیں یاد آ گئی میرا ماموزاد بھائی ایک فٹن پر سوار جاتے تھے کہ یہ جو گھوڑے کے پیچھے ٹانگا ہوتا تھا یا جو سواری ہوتی تھی اس کو کہتے ہے، میرٹھ کا قصہ ہے پاگل خانے کے سامنے سے گذر رہوا، دیکھا تو پاگل اُچھل کود رہے تھے، یہ کہتے ہیں کہ دیکھو یہ بھی عجیب بیوقوف ہے کہ ایسے سوارے میں بیٹھے اگر گھوڑا فٹن کو خندق کی طرح لیکر چل دے ابھی یہ گر پڑے، دیکھو پاگلوں نے بات معقول کہی، اس لئے کہ احتمال عقل تو خندق کی طرف جانے کا ہے وہ اس کا وقوع شاذونادر ہوا ایسے واقعہ کبھی کبھا ہو جاتے ہے لیکن عام طور پر نہیں ہوتے جیسے ابھی ہمارا دو دن پہلے شدید حادثہ ہوا ساٹھ سے قریب آدمی اس میں مر گیا یہ چیزیں حوادث ہوتے ہے، شاذونادر ہوتے ہے اسی طرح جہازوں کا معاملے ہوتے ہے لیکن اس دلیل سر دود سے پاگلوں کو عقلمند نہیں کہے گا یہ جو اس قسم کی پاگل اپنے طور پہ گھرتے ہے تو ان کی باتیں تو عقلمندی کی تھوڑی ہوتے ہے۔ ایک اور مجنون تھا کہ وہ اپنا فضلہ کھا رہا تھا ہمارے ہند میں تو مرارجی ڈیسینڈ وزیر اعظم رہے ہے اور ان میں شاید اَب بھی کوئی ایسا ہو کہ اپنا پیشاب پی لیتے ہے اس میں کیا برائی ہے وہ کہتے ہے کہ میرے

اندر ہی سے تو نکلا ہے اگر پھر میرے اندر چلا جائے تو کیا حرج ہے، تو دیکھو عقلی ہی دلیل یہ بھی تو ہے مگر مردود ایک اور شخص تھا وہ جنون میں اپنے ماں سے برا کام کرتا تھا یہ کہتا تھا کہ میں جب کہ میں سب کے سب اس میں تھا تو اگر میرے جز اس کے اندر چلا جائے تو کیا حرج ہے، پس ایسے ہی دلائل عقل پرست و مہذبین کی ہے میں بہ قسم کہتا ہوں کہ اہل باطل کے پاس کسی مدعا پر کوئی دلیل صحیح نہیں ہے جتنے بھی باطل کے لوگ ہے نظریات والے ان کے پاس کوئی بھی دعوے سے اگر کہہ رہے تو دلیل صحیح نہیں ہے اہل باطل کے بھی عاقل ہو ہی نہیں سکتی جس پر ہدایت نہ ہو ان کی عقل پوری ہو ہی نہیں سکتی اکثر یہی کہا کرتا ہوں کہ وہ جس بات کو ناپسند کرینگے وہ پسندیدہ ہوگی اور جس کو پسند کرینگے وہ ناپسند ہوگی، بعض بزرگوں نے فرمایا کہ آدم علیہ السلام کا مسجودِ ملائکہ ہونا جیسے ان کی کمال کی دلیل ہے اسی طرح شیطان انکو سجدہ نہ کرنا بھی دلیل ان کے کمال کی ہے اس لئے کہ اگر شیطان سجدہ کر لیتا اور تھا یہ اصل میں خبیث تو با قاعدہ الجنس یمیل الی الجنس اس قاعدہ کے حساب سے ہر ذلیل چیز ذلیل کی طرف مائل ہوگی اس سے شبہ ہوتا ہے کہ خدانا خواستہ آدم علیہ السلام میں کوئی نقص ہے اس میں مجھ کو اور نکتہ یاد آیا یہ کہ ہمارے حاجی صاحب جو حضرت کے شیخ تھے "حاجی امداد اللہ مہاجر مکی ؒ" فرمایا تھا کہ جس شخص کی طرف اہل دنیا مائل ہوں مالدار طبقہ اس کے اندر ہی دنیا کا شیبہ ہے ورنہ دنیادار اس کی طرف نہ جھکتے، سچے درویشوں کی تو یہ کیفیت ہوتی ہے جو ان کی طرف غرباء کا میلان ہوتا ہے جہلاء کا، مؤمنوں کا، سیدھے سادے مسلمانوں کا طلباء کا اور یہ ہی کیفیت انبیاء کے ہوئی ہے ان کی طرف فقراء غرباء عامۃ الناس ہی اول جھکے ہے، سچے ورثۃ الانبیاء کی

تھی یہی کیفیت ہونی چاہیئے جو اہل اللہ ہوتے ہے الجنس یمیل الجنس پر ایک حکایت یاد آتی ہے جانور سے پرانا فلاسفر ہے جو چلا جاتا تھا جارہا تھا راستے پہ راستے میں مجنون سے دور کر ملا اور بڑی محبت اور ملاطف سے باتیں کی، التفات کے ساتھ باتیں کی پیار محبت سے، اگر کوئی نادان ہوتو بہت خوش ہوتا اور اس کا اپنی کراماً سمجھتا لیکن چونکہ جان نوس دانا تھا فوراً واپس آیا اور شاگرد سے کہا کہ وہ مجنون لاؤ جو وہ معجون لاؤ دوالاؤ جو جنون کو مفید ہے دماغ امراض کیلئے جو اس وقت کے حکیم دوائیں تیار کرتے تھے وہ چیز لاؤ تاکہ جو اس کو مفید ہے، شاگرد نے عرض کیا کہ خیر و عافیت تو ہے کیسا مزاج ہے کہاں کے آج مجھ سے مجنون بڑی ملاطفت سے پیار سے پیش آیا اور قاعدہ عقلی ہے کہ الجنس یمیل الی الجنس معلوم ہوتے ہے کہ میرے اندر بھی کچھ جنون کا مادہ ہے ایک مرتبہ طاؤس اور کوّا ساتھ ساتھ چلے جاتے تھے لوگوں کو حیرت ہوئی یہ کیا بات ہے دو جنس آپس میں چلے جارہے ہے ایک فلاسفر نے کہا کہ ان میں ضرور کچھ مناسبت ہے دیکھا تو واقعی مناسبت ہے کہ دونوں لنگڑے تھے۔ پس اہل باطل کو جس شی کی طرف بالکل رغبت نہ ہو وہ شی سب سے بڑھ کر اچھی ہوگی۔ اس بناء پر کچھ ضرورت تو نہیں رہی کہ ان کے اعتراض کو یہاں نقل کیا جائے چونکہ ان کو اعتراض کرنا بھی کافی دلیل ہوگی اس اراقہ استحسان کی اللہ کیلئے ذبح کرنیکی یا ذبیحہ کرنیکی جو قربانی کی جاتی ہے یا ہمارے ہاں صدقہ خیرات کی جاتی ہے جانور کو ہمارے دادا والے صاحب بھی کوئی بیمار ہوتا تھا تو بکری لاکے ذبح کرتے تھے اور اس کو زیادہ افضل سمجھتے تھے اراقۃ الدم کو، کہتے تھے کہ بہت سے مخلوق قسم مستفید ہو جاتی ہے اس وقت تو جدید سڑا ٹر ہاس گاؤں میں کہتے ہے کہ اسکی خون

سے کیڑے مکوڑے فائدہ لے لیتے تھے ہڈیوں سے جو ہے جنات اور دوسری جانور کتے بھی وغیرہ فائدہ لے لیتے تھے گوشت سے انسان لے لیتے ہے تو اراقہ استحسان کی لیکن تہم شی کسی کو اب بھی شبہ رہے خصوصاً بعض عوام کو شاید یہ جواب کلی کافی نہ ہو اس لئے تبرعاً مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کی اعتراض نقل کر کے جواب خاص دیا جائے جاننا چاہیئے کہ اصل ان کو شبہ کا یہ ہے کہ قربانی کرنا بے رحمی ہے خواہ مخواہ بلاقصور جانور کو خون کرنا سخت بے رحمی بے انصافی سنگ دلی نیز صرف اپنے خواہش نفسانی پورے کرنے کیلئے کسی جان کو ضائع کر دینا بعید عقل اور کم ہمت ہے، بظاہر یہ اعتراض بہت قوی ہے لیکن نظر غور سے معلوم ہوگا کہ بالکل لچھر ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ مسلمانوں کو بے رحم اور فعل کو بے رحمی کہنا ہی غلط ہے، مطلق رحم سے تو کوئی شخص خالی نہیں ہوسکتا ہے اس لئے کہ یہ مادیت تو حق تعالیٰ نے ہر ایک کے اندر رکھا ہے باقی جس پہ سنگ دلی کہتے ہے وہ واقعی میں شجاعت ہے جس کا نام انہوں نے رحم رکھا ہے وہ ضعف قلبی ہے کمزوری ہے بزدلی ہے قوی القلب کا سیی القلب نہیں ہوتا جو گنہگار دل والے ہوتے وہ مضبوط دل والے نہیں ہوسکتے اور نہ ضعیف القلب کا رحم ہونا ضروری ہے مسلمانوں سے زیادہ تو رحم دلی کسی کے اندر رہے ہی نہیں انکو تو تعلیم ہی رحم کی ہے۔ اسی پہ جاری رکھینگی۔

وَاخر دعوانا عن الحمد للہ رب العالمین

اللّٰھمّ صلّ علی محمدٍ عبدک ورسولک وصلِّ علی المؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات

رحم اور بے رحمی

حضرت کے رحم اور بے رحمی کی جو تفصیل چل رہی ہے، مسلمان ہمیشہ رحم دل ہوتے ہیں اور اسی کے اوپر تفصیل چل رہی ہے کہ مسلمانوں سے زیادہ رحم دلی کسی کے اندر ہے ہی نہیں انکو تو تعلیم ہی رحم کی گئی ہے ان کے رحم کی یہ کیفیت ہے کہ کسی شخص پر غصہ ہوا اور اس نے بہت ستایا ہو، بہت ایذاء پہنچائی ہو لیکن وہ کہے کہ بھائی معاف کردو یہ حکم ہے معاف کردو اور بلکل اس سے کینہ نہ رکھو، لیجئے دشمنوں پر رحم کرینگا حکم ہے چنانچہ لڑائی میں حکم ہے بوڑھوں کو عورتوں کو بچوں کو درویشوں کو گوشہ نشینوں کو مت مارو، کان ناک مت کاٹو جب کہ سب اپنی اپنی دشمنوں پر رحم کرنے والے ہے تو جانور پر کیوں رحم نہ کرینگے یہ بے انتہاء رحم دل ہے لیکن رحم ان کا عقل کے ساتھ ہے بے عقلی کے ساتھ نہیں ہے۔

رحم کی بھی دو قسمیں ہیں ایک بے عقلی کے ساتھ جیسے ماں کا رحم کہ بچہ مچل رہا ہے کہ میں مکتب میں نہیں جاؤنگا پڑھنے نہیں جاؤنگا اور مکتب میں جانے سے اس کو وحشت ہوتی ہے روتا ہے ماں ان کی حمایت کرتی ہے وہ چاہتی ہے کہ ایسا ہے نہ جاوے اس کا جی برا ہوگا۔

اور ایک رحم عقل کے ساتھ ہوتے ہے جیسے باپ کا رحم ہے کہ اس نے بچے کی ضِد دیکھی تو دو تین چیٹ مارے اور پکڑ کر مکتب میں پہنچا دیتے تو بظاہر بے رحمی معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقت میں ماں کا اس کی موافقت کرنا یہ اس کی حق میں ظلم ہے تو انجام اس کا

جہل ہے جس کوذلت وخواری لازم ہے اور باپ کا مارنا عین رحم ہے کہ انجام اس کا اس کی بہتر ہے۔

ماں کی رحم کی مثال ایسی ہے جیسی ایک بوڑھیا کے گھر شاہین باز چلا آیا تھا باز جو ہے شکار کرنے کیلئے پرندہ پر شاہین یا عقاب ساری چیز ایک ہی نام ہے اس نے دیکھا کہ اس کی تخلیق اللہ پاک نے ایسی کی ہے کہ شکار کے لئے اسکے چونچ بہت بڑی ہے بہت کری ہے یہ دانا کس طرح چنتا ہوگا معلوم ہوتا ہے کہ تیری ماں مرگئی ہے ناخن اس کے جو ہے وہ بہت ہی تیز اور پر جو ہے اسی طرح اس کے وہ بے ترتیب تو کہنے لگے کہ بوڑھیا کہ تیرے ماں مرگئی ہے کس نے تیرے ناخن ٹھیک نہیں کی ہے پر ٹھیک نہیں کی ہے کسی نے تمھیں تراشا سجایا نہیں ہے اسی واسطے چونچ تیرے بہت بڑھ گئی ہے بڑی کانچی لیکر آئی اسکی چونچ کترا کی پھر دیکھا کہ ناخن بہت بڑے ہے ناخن کو تراش کی ہے پر اس کی تھے اڑنے والے اس کو کاٹ دیا۔ غرض اسکو جس کا وہ کام تھا اس سے بالکل نکما کر دی ہے ''سچ دوستی بے خیرت پر دشمنی است'' بیوقوف کی دوستی دشمنی سے بڑی ہوتی ہے یہ حکایت مولانا رومی صاحبؒ نے لکھی ہے اس سے بڑا اچھا وہ نکالتے ہے اسلام کے شان وشوکت کی اصل درس نکالتے ہے جب کہ بادشاہ کی کارندے اس باز کو ڈھونڈھے تو عورت کی گھر پہنچی تو وہ باز تو نہیں رہا تھا اسکو کبوتر بنا دیا تھا تو اس نے اسلام کی شان ہے اسکی کہیں نہ کہیں جو جدید عقلمند لوگ ہے یہ ان کے وہ ساری چیزیں تلاش تلاش کر کے اس کی باز یا شاہین کو وہ کبوتر بنانے چاہتے ہے کہ وہ اسی طرح ہو جائے کہ جیسے اس بوڑھیا نے شاہی باز کو کبوتر بنا دیا تھا اور ایک سرحدی کی شکایت مشہور ہے کہ ہندوستان میں آئے تھے کہیں کسی سے لڑائی کے ہوگئی اس میں زخم وغیرہ بہت لگے تھے ایک شخص کو

رحم آ گیا اس نے مرحم پٹی کی، تندرست ہو گیا بہت خوش ہوئے اور کہا کہ تم کا بھی ہمارے یہاں آؤں گے ہم تم کو اس کا عوض دیگا اتفاقاً اس کا جانا اُدھر ہو گیا وہ سرحدی دوست بھی یاد بھی آ گیا ان کے پاس گیا بہت خوشی اور کہا ہم حم کو تمہارے خدمت کا عوض دیگا جب وہ سرحدی نظروں سے ذرہ غیب ہوئے تو ان کے بیوی نے کہا جلدی چلی جاؤ ورنہ یہ تم کو زخمی کر دیگا زخمی کر کے تمہارا معالجہ کرینگے جس طرح تم نے اس کا کیا تھا وہ شخص بے چارہ اپنی جان بچا کر بھاگا ایسی ہی رحم دلی اہل باطل میں ہے کہ جانوروں کو ذبح نہ کرنے کو رحم سمجھتے ہے اور یہی ہوتا ہے کہ اب بعض علاقوں میں مثلاً آسٹیلیہ وغیرہ میں ہالیکپٹر سے اونٹوں کو جو ہے کیا جاتا ہے کہ انکو اتنی بڑھ گیا ہے کہ ان کی نسل جنگلوں میں کہ انکو تلف کرنے کے لئے حکومتی مرحمت چلے جا رہے ہے اسی طرح جونیل گائے وغیرہ ہندوستان میں پولیس آ کے بلا بلا کے مسلمان کو، کہتے ہے کہ انکو پکڑ وان کو کاٹو تم اپنا کاٹ کے جیسے کرتے ہے حالانکہ شہروں میں ان کے گاؤں کشی کے اوپر وہ رہتا ہے تو یہ وہی پہ بے رحم دلی اور اہل رحم ایسے ہی رحم دلی اہل باطل میں ہے جانوروں کو ذبح نہ کرنے کو رحم سمجھتے ہے حالانکہ اللہ پاک کی حکمتیں ہے ہمارے مدرسے کے پاس بعض اہل باطل زندہ چوہے چھوڑ جاتے ہے یہ رحم چوہوں پر تو کیا اپنی بنی نوع کو تو نقصان پہنچایا۔ انہوں نے رحم اپنی رحم چوہوں پر کیا اور اپنی نوع کے نقصان پہنچائے انسانوں کو تو یہی کئی بیماریوں پھیلنے کے ذریعے طاعون وغیرہ کا اسی طرح سانپ کو زندہ چھوڑ دیتے ہے سانپ پر تو رحم ہوا لیکن اپنی ہی نوع پر ظلم ہوا یہ کیا رحم ہے؟ یہ اچھا خاصہ ظلم اور سنگ دلی ہے سچا اہل اللہ کی طرح سچا مسلمان رحم مسلمانوں ہی ہے انکو ہم جنسوں پر بھی رحم ہے جانوروں پر بھی رحم ہے۔

وَاخر دعوانا عن الحمد للہ رب العالمین